رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
مئی ۲۰۱۴ء

ماہنامہ

میثاق
لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

**کیا نظامِ باطل میں
اطاعتِ رسول ﷺ ممکن ہے؟**
بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ

داعی رجوع الی القرآن بانیٔ تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن
ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سُورۃ الفاتحہ وسُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
(آٹھواں ایڈیشن) ——— صفحات: 360، قیمت 450 روپے

حصہ دوم سُورۃ آلِ عمران تا سُورۃ المائدہ
(چھٹا ایڈیشن) ——— صفحات 321، قیمت 425 روپے

حصہ سوم سُورۃ الانعام تا سُورۃ التوبہ
(چوتھا ایڈیشن) ——— صفحات 331، قیمت 425 روپے

حصہ چہارم سُورۃ یُونس تا سُورۃ الکہف
(تیسرا ایڈیشن) ——— صفحات 394، قیمت 460 روپے

حصہ پنجم سُورۃ مریم تا سُورۃ السّجدۃ
(دوسرا ایڈیشن) ——— صفحات 480، قیمت 575 روپے

★ عمدہ طباعت ★ دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد ★ امپورٹڈ آفسٹ پیپر

ملنے کے پتے

انجمن خُدام القرآن خیبر پختونخوا، پشاور
A-18 ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: 2584824,2214495(091)

مکتبہ خُدام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد :	63
شمارہ :	5
رجب المرجب	1435ھ
مئی	2014ء
فی شمارہ	-/25

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

- اندرون ملک — 250 روپے
- بھارت و بنگلہ دیش — 900 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ — 1200 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ — 1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700، فون: 3-35869501
فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org
ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور
فون: 36366638 - 36316638 فیکس: 36313131

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

- **عرضِ احوال** — 5
  - تحفظِ پاکستان آرڈیننس — ایوب بیگ مرزا
- **بیانُ القُرآن** — 10
  - سورۃ بنی اسراءیل (آیات ۲۳ تا ۵۲) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ
- **تذکرہ و تبصرہ** — 29
  - کیا نظامِ باطل میں اطاعتِ رسول ﷺ ممکن ہے؟ — ڈاکٹر اسرار احمدؒ
- **حسنِ معاشرت** — 71
  - اسلام میں انسانی حقوق کا معاشی و معاشرتی تصور — پروفیسر عبدالعظیم جانباز
  - قتلِ مسلم — امیر جان حقانی — 87
- **حیّ علی الفلاح** — 91
  - مسجد کی عظمت، ضرورت اور اہمیت — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ
- **یادِ رفتگاں** — 95
  - پروفیسر طارق مسعود — پروفیسر خورشید عالم

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

تحفّظِ پاکستان آرڈیننس

قومی اسمبلی نے تحفّظِ پاکستان ترمیمی بل ۲۰۱۴ء اپوزیشن کے احتجاج اور بائیکاٹ کے باوجود منظور کرلیا ہے اور اب اسے قانون کا درجہ دینے کے لیے سینٹ میں پیش کیا جائے گا۔ قومی اسمبلی میں مسلم لیگ (ن) کو چونکہ اکثریت حاصل ہے' لہٰذا تمام دوسری جماعتوں کی مخالفت کے باوجود حکومت اس بل کو منظور کروانے میں کامیاب ہوگئی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ جمعیت علمائے اسلام (ف) جو حکومت کی اتحادی جماعت ہے اس نے بھی قومی اسمبلی میں اس بل کی مخالفت کی ہے' لہٰذا یہ کہا جارہا ہے کہ حکومت نے قومی اسمبلی میں بل کو بلڈوز کیا ہے۔

اس سے پہلے کہ بل کے بارے میں کسی رائے کا اظہار کیا جائے' یہ جاننا ضروری ہوگا کہ تحفظِ پاکستان آرڈیننس ہے کیا؟ ظاہری طور پر اس آرڈیننس کو قانون کی شکل دینا اس لیے ضروری سمجھا جارہا ہے تاکہ ملک میں دہشت گردی کو کنٹرول کیا جاسکے۔ اس قانون سے آرمڈ فورسز اور سول آرمڈ فورسز کو اختیارات دیے گئے ہیں۔ سول آرمڈ فورسز میں فرنٹیئر کانسٹیبلری' فرنٹیئر کورپس' پاکستان کوسٹ گارڈ اور پاکستان رینجرز شامل ہیں۔ اس حوالہ سے موجودہ صورت حال یہ ہے کہ اسے Protection of Pakistan Ordinance2013 کا نام دیا گیا ہے جس کا مخفف POP بنتا ہے۔ یہ آرڈیننس صدرِ پاکستان نے ۱۳/اکتوبر ۲۰۱۳ء کو نافذ کیا۔ ۷ نومبر کو اسے ایک بل کی صورت میں قومی اسمبلی کے سامنے رکھا گیا۔ اس آرڈیننس میں ۲۲ جنوری ۲۰۱۴ء کو ترمیم کی گئی اور پھر ۳۰ جنوری کو اس ترمیمی آرڈیننس کو اسمبلی میں اور ۵ فروری کو سینٹ میں لایا گیا۔ لیکن قومی اسمبلی میں شدید مخالفت کی وجہ سے اس آرڈیننس کو ۷ فروری کو ۱۲۰ دن کی توسیع دے دی گئی۔ بالآخر ۷ اپریل ۲۰۱۴ء کو قومی اسمبلی کی سطح پر اس بل کو قانون بنانے کی منظوری دے دی گئی اور اس میں اپوزیشن کی پیش کردہ تمام ترامیم مسترد کردی گئیں۔ یہ بل بعد ازاں سینٹ میں پیش کیا گیا' لیکن وہاں حکومت کی اکثریت نہیں۔ لہٰذا یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ سینٹ میں یہ بل منظور ہوسکے' چنانچہ یہ آرڈیننس ابھی قانون کی شکل اختیار نہیں کرسکا۔

اس آرڈیننس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

(۱) اس آرڈیننس کا چونکہ بنیادی مقصد یہ ہے کہ پاکستان کی سلامتی کو ان لوگوں سے محفوظ بنایا جائے جو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ہتھیار اٹھائیں لہٰذا انہیں ''Combatant enemy''، یعنی جنگجو دشمن یا مسلح دشمن کا نام دیا گیا ہے۔

(۲) جس شخص پر بھی شک ہوگا کہ وہ اس نوعیت کی سرگرمیوں میں ملوث ہے اسے پاکستان کی شہریت سے محروم کردیا جائے گا' چاہے وہ شہریت پیدائشی ہو یا اس نے پاکستان کی شہریت بعد میں کسی وقت حاصل کی ہو۔

(۳) سول اور فوجی آفیسر کسی بھی مشکوک شخص یا اشخاص پر فائرنگ کرنے کا قانونی حق رکھیں گے وہ ان اشخاص کو وارنٹ گرفتاری دکھائے بغیر گرفتار کرسکیں گے اور سرچ وارنٹ کے بغیر ہر مقام کی تلاشی لے سکیں گے۔

(۴) اگر حکومت کو کسی بھی شخص یا اشخاص پر شک ہوا تو حکومت اسے ۹۰ دن کے لیے نظر بند کرسکے گی اور اس دوران کسی عدالت میں پیش کرنے کی پابند نہیں ہوگی۔

(۵) اس قانون کے تحت گرفتار کرنے والوں کو عام عدالتوں میں نہیں بلکہ حکومت کی بنائی ہوئی خصوصی عدالتوں ہی میں پیش کیا جائے گا۔

(۶) تحفظ عامہ کے تحت ان عدالتوں میں سماعت بند کمرے میں ہوگی۔

(۷) ملزم کو جس جگہ قید رکھا جائے گا اس جگہ کو خفیہ رکھا جائے گا اور حکومت اس بات کی پابند نہیں ہوگی کہ اس جگہ کے بارے میں کسی کو اطلاع دے۔

(۸) کسی عدالت میں اسے چیلنج نہیں کیا جاسکے گا۔

(۹) ملزم کو یہ بتانا لازم نہ ہوگا کہ اس کے خلاف کیا الزامات ہیں۔

(۱۰) استغاثہ کے لیے لازم نہیں ہوگا کہ وہ الزامات ثابت کرے' بلکہ ملزم کو ثابت کرنا ہوگا کہ جو الزامات اس پر لگائے گئے ہیں وہ غلط ہیں۔

(۱۱) اگر کوئی شخص تحفظ پاکستان آرڈیننس کے نفاذ سے پہلے ہی گرفتار یا نظر بند ہو تب بھی اگر حکومت چاہے تو اس پر اس قانون کا اطلاق کرسکے گی۔

اس قانون کو اپوزیشن سے تعلق رکھنے والی جماعتوں نے کالا قانون قرار دیا ہے۔ ہماری رائے میں یہ اس قانون پر ایک نرم اور ملائم تبصرہ ہے۔ اس قانون سے آئین کے آرٹیکل ۹ اور ۱۰ کی کھلی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ یہ ایک غیر انسانی قانون دکھائی دیتا ہے' جس میں انسانیت کی

بدترین انداز میں تذلیل کی گئی ہے۔ یہ اسلام کے تصورِ حرّیت کے صریحاً خلاف ہے اور یہ اس ملک میں نافذ کیا جا رہا ہے جس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ اسے اسلام کا قلعہ بنایا جائے گا' جسے مملکتِ خداداد کہا جاتا ہے' جسے اسلامی فلاحی جمہوری ریاست بننا تھا۔ جس کے معماروں نے اس کی تعمیر کے کچھ عرصہ بعد ہی اپنے ایک قومی اکٹھ میں قراردادِ مقاصد منظور کر کے اس کی سمت خانہ کعبہ کی طرف متعیّن کر دی تھی۔ لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس گاڑی کو پٹری پر چڑھا کر انجن اس کے اگلے حصّہ کی بجائے اس کی پشت پر لگا دیا گیا اور اس گاڑی نے اسلام کی بجائے اسلام آباد کا رخ کر لیا۔

پاکستان میں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہے اور حکومت اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ اس طرح کی قانون سازی کر کے ہی حالات پر قابو پایا جا سکے گا۔ گویا آنکھیں بند کر کے لاٹھی گھمانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ آنکھیں بند کرنے کی نہیں بلکہ آنکھیں کھولنے کی ضرورت ہے۔ یہ جائزہ لینا ہوگا کہ ہم اس حالت کو کیوں پہنچے اور یہ نوبت کیوں آئی کہ غیر مہذّب اور جاہلانہ قانون سازی کی سوچ نے جنم لیا؟ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے مغرب کی نقل کی مگر وہ بھی بھونڈے انداز میں۔ مغرب نے اپنی ایک آنکھ بند کر لی' یعنی آخرت کو بالکل فراموش کر دیا' مذہب کو دنیوی ترقی میں رکاوٹ سمجھ کر اُس سے منہ موڑ لیا اور اپنی تمام تر توانائیاں اور صلاحیتیں دنیا کمانے اور دنیا بنانے میں لگا دیں۔ وطن کو خدا بنا لیا اور اس کی پرستش شروع کر دی۔ ساری سوچ میرا ملک' میرا وطن اور میری قوم تک محدود ہو گئی۔ تمام اخلاقیات کو اپنی قوم اور اپنے وطن تک محدود کر دیا۔ ٹیکس چوری نہیں ہو گی' اپنے ہم وطنوں سے جھوٹ نہیں بولا جائے گا' دیانت داری کو بطور بہترین پالیسی اختیار کیا جائے گا۔ پھر یہ کہ عوام کو حکمران چننے کا حق ہو گا اور ایک معیّن مدّت کے بعد انہیں بدلا بھی جا سکے گا۔ اسی نظام کے تحت اداروں کو وجود میں لایا گیا جو آئینی حدود میں رہ کر اپنی اپنی ذمہ داری ادا کریں گے۔ اس طرزِ حکومت کو جمہوریت کا نام دیا گیا' جس میں یقیناً بعض خوبیاں ہیں' خصوصاً حکمرانوں کے احتساب کے حوالہ سے کہ یہ ایک تسلسل سے خود بخود ہوتا رہتا ہے' لیکن اصل میں موجودہ جمہوری طرزِ حکومت اس انسان دشمن سرمایہ دارانہ نظام کو شیلٹر فراہم کرتا ہے جو انسانوں کے معاشی استحصال کے لیے وجود میں لایا گیا تھا۔ اسی لیے علامہ اقبال نے دنیا کو بتایا کہ اس کا چہرہ اگرچہ روشن ہے لیکن اندرون چنگیز سے تاریک تر ہے۔

پاکستانی قوم کی بدقسمتی کا اندازہ لگائیں کہ اس طرزِ حکومت کو تو اپنا لیا گیا لیکن اس کی جو

چند خوبیاں تھیں انہیں طلاقِ مغلظ دے دی گئی اور وہ سرمایہ دارانہ نظام جو از سرتا پا شر ہی شر ہے اسے اس قوم پر بدترین شکل میں مسلط کر دیا گیا۔ گویا ۱۹۴۹ء میں قراردادِ مقاصد کے ذریعے اس زمین میں جس شجرِ طیب کو بلند کرنے کے لیے بیج ڈالا گیا تھا اُس نے ابھی تنکے کی صورت میں خود کو زمین سے باہر بھی نہیں نکالا تھا کہ اسے روند ڈالا گیا اور ایک شجرِ خبیث کی آبیاری شروع کر دی گئی۔ ظاہر ہے اس جہنمی درخت نے کس نوع کا پھل دینا تھا۔ اسی پھل کا زہر آج قوم میں کینسر کا باعث بن رہا ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے ہندوستان کی تقسیم لا الٰہ الا اللہ کے نام پر کروائی تھی' لیکن اس کے بعد ہم نے سرمایہ داری کے بت کی پوجا شروع کر دی' لہٰذا قوم آج اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے۔ دین سے ہم نے رخ پھیرا' اسے پیٹھ دکھائی۔ اندھا دھند دنیا کے پیچھے بھاگ رہے ہیں اور دنیا ہمارے ہاتھ نہیں لگ رہی۔ پاکستانیوں کی اکثریت ملک کے مستقبل سے مایوس نظر آ رہی ہے۔ حکومت تحفظ پاکستان کے نام سے غیر انسانی غیر اسلامی قانون بنا کر تنکوں کا سہارا لے رہی ہے۔ فوج اور حکومت ایک دوسرے کے خلاف بیانات داغ کر دنیا کو تماشا دکھا رہے ہیں۔ میڈیا مادر پدر آزادی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تمام اخلاقی حدود کو پامال کر رہا ہے۔ تاجر جعلی خوراک اور جعلی دوائیوں سے انسانی زندگیوں کے سودے کر رہے ہیں۔ اس سب کچھ کے باوجود ہم مسلمانانِ پاکستان کو یاد دلانا اپنا دینی اور قومی فریضہ سمجھتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے اپنی آخری مقدس کتاب میں مایوسی کو کفر قرار دیا ہے۔ گناہگار افراد کے لیے قبل از موت توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے' جبکہ قومِ یونس کا قصہ بیان کر کے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ اگر اب بھی پلٹ آؤ گے' اب بھی رجوع کر لو گے' اب بھی پاکستان کا مطلب ''لا الٰہ الا اللہ'' سمجھ کر اور اس میں ''محمدؐ رسول اللہ'' کا اضافہ کر کے صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جاؤ گے اور اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کو پاکستان میں قائم کر دو گے تو ابھی پانی سر سے نہیں گزرا۔ تم دنیوی اور اخروی فلاح پاؤ گے اور تمہیں خود پر ایسے کالے قوانین نافذ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

اگر آج کا حکمران بھی حضرت علی ؓ کی طرح عدالت میں پیش ہو جائے اور آج کا قاضی بھی اگر حکمران کے خلاف فیصلہ دے اور حکمران اسے دل سے قبول کر لے تو یاد رکھیں آج کا یہودیت پر مبنی نظام بھی اسلامی نظام کو قبول کر لے۔ گویا ضرورت شریعتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کو نافذ کرنے کی ہے۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پاکستان میں قائم ہونے والا نظامِ خلافت' ان شاء اللہ' عالمی نظام خلافت کے قیام کی طرف پہلا قدم ہو گا۔

وگرنہ ''تحفظِ پاکستان'' جیسے کالے قوانین پاکستان کو خاکم بدہن صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے۔

ایک وضاحت بڑی ضروری ہے کہ اگرچہ مذہبی جماعتوں کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ پاکستان میں نظامِ خلافت کے لیے جدّوجُہد کریں' لیکن یہ بہت بڑی غلط فہمی بلکہ عملی طور پر تباہ کن کج روی بھی ہے کہ یہ صرف ان کی ذمہ داری سمجھی جائے۔ یہ پاکستان کے ہر ہر مسلمان شہری کی ذمہ داری ہے کہ وہ پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست میں تبدیل کرنے کے لیے زبردست جدوجہد کرے۔ اس لیے کہ ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!'' کا نعرہ عوام نے لگایا تھا' جسے اُس وقت کے خواص نے ۱۹۴۹ء کی قراردادِ مقاصد کے ذریعے تسلیم کیا تھا۔ اب عوام کو پوری یکسوئی کے ساتھ آگے بڑھنا ہوگا۔ اس لیے کہ خواص یوٹرن لے چکے ہیں' کیونکہ اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی خواص کے مفادات پر ضرب لگاتا ہے۔ انہیں تو سرمایہ دارانہ نظام موافق ہے' لہٰذا وہ جمہوریت کے نام کی مالا جپ کر اور اس کے فریب میں لا کر عوام کو اسلام سے دور رکھنا چاہتے ہیں لیکن انہیں نہیں بھولنا چاہیے کہ تحفظ پاکستان جیسے قوانین اصل میں اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ سرمایہ دارانہ جمہوریت لوگوں کا تحفظ کرنے اور انہیں آسودگی دینے میں مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہے۔ ہمیں دنیا کے حالات کا باریک بینی سے جائزہ لے کر سمجھنا چاہیے کہ سرمایہ دارانہ نظام کا سفینہ اب آہستہ آہستہ ڈوب رہا ہے۔ وہ بات جو علامہ اقبال نے پون صدی پہلے بھانپ لی تھی آج حقیقت بن کر سامنے آ رہی ہے کہ:

گیا دورِ سرمایہ داری گیا تماشا دکھا کر مداری گیا!

سوویت یونین اور مشرقی یورپ سمیت دنیا سے سوشلزم اور کمیونزم کا جنازہ بھی اٹھ چکا ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کا مائی باپ امریکہ افغانستان سے فرار ہو کر کوئی پناہ گاہ ڈھونڈ رہا ہے۔ اسے بھی اپنا ٹائی ٹینک ڈوبتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ دنیا کو اپنا وجود قائم رکھنے کے لیے خواہی نخواہی اسلامی نظام کی طرف بڑھنا ہوگا۔ لہٰذا یہ نوشتہ دیوار ہے کہ یہ صدی اسلام کے نام ہوگی' ان شاء اللہ—— اصل سوال ہم مسلمانوں کی آخرت سنورنے یا برباد ہونے کا ہے اور اس کا انحصار ہماری اس راہ میں جدوجہد پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اقامتِ دین کی جِدّوجُہد میں تَن مَن دَھن لگانے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو سکیں۔ آمین یاربّ العالمین!

❁❁❁

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃ بَنِی اِسرائیل

آیات ۲۳ تا ۴۰

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ
عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا
قَوْلًا كَرِیْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا
كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ؕ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّهٗ
كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا
تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَكَانَ الشَّیْطٰنُ
لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ
لَّهُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ
الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ
وَیَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا ﴿۳۰﴾ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ
اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِیَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِیْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا
الزِّنٰٓی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا
بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی
الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ
حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا
الْكَیْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ

تَاْوِیْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ
اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ
الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ
مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰۤی اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا
اٰخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِیْنَ وَاتَّخَذَ
مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾

آیت ۲۳ ﴿وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ﴾ ’’اور فیصلہ کر دیا ہے آپؐ کے رب نے کہ مت عبادت کرو کسی کی سوائے اُس کے‘ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔‘‘

اللہ کے حقوق کے فوراً بعد والدین کے حقوق ادا کرنے کی تاکید اس سے پہلے ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۸۳ اور سورۃ النساء کی آیت ۳۶ میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ اس کے بعد سورۂ لقمان کی آیت ۱۴ میں یہی حکم چوتھی مرتبہ آئے گا۔

﴿اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا﴾ ’’اگر پہنچ جائیں تمہارے پاس بڑھاپے کو ان میں سے کوئی ایک یا دونوں‘‘

﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ﴿۲۳﴾﴾ ’’تو انہیں اُف تک مت کہو اور نہ انہیں جھڑکو‘ اور ان سے بات کرو نرمی کے ساتھ۔‘‘

اگر کبھی والدین کی بات کو ٹالنا بھی پڑ جائے تو حکمت اور نرمی کے ساتھ ایسا کیا جائے۔ عقل اور منطق کے بل پر سینہ تان کر یوں جواب نہ دیا جائے کہ ان کا دل دکھے۔

آیت ۲۴ ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ ’’اور جھکائے رکھو ان کے سامنے اپنے بازو عاجزی اور نیازمندی سے‘‘

جب بھی اپنے والدین کے سامنے آؤ تو تمہاری چال ڈھال اور گفتگو کے انداز سے عاجزی وانکساری اور ادب واحترام کا اظہار ہونا چاہیے۔

﴿وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ﴿۲۴﴾﴾ ’’اور دعا کرتے رہو: اے

میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسے کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا۔''

اللہ تعالیٰ کے حضور ہر وقت ان کے لیے دعا گو رہنا چاہیے کہ اے اللہ جب میں ضعیف' کمزور اور محتاج تھا تو انہوں نے میری غذا' میرے آرام اور میری دوسری ضروریات کا انتظام کیا۔ میری تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھا اور میرے لیے اپنے آرام و آرائش کو قربان کیا۔ اب میں تو ان کے ان احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔ اس لیے میں تجھی سے درخواست کرتا ہوں کہ تو ان پر رحم فرما اور اپنی خصوصی شفقت اور مہربانی سے اُن کی خطاؤں کو معاف فرما دے۔

آیت ۲۵ ﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝۲۵﴾ ''تمہارا رب خوب واقف ہے اس سے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم واقعی نیک ہو گے تو وہ (اپنی طرف) رجوع کرنے والوں کے لیے بڑا بخشنے والا ہے۔''

بوڑھے والدین کے ساتھ حسن سلوک کے حکم پر کما حقہ عمل کرنا آسان کام نہیں۔ بڑھاپے میں انسان پر ''ارذلِ عمر'' کا مرحلہ بھی آتا ہے' جس کے بارے میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ﴾ (النحل: ۷۰)۔ ایسی کیفیت میں کبھی بچوں کی سی عادتیں لوٹ آتی ہیں اور ان کی بہت سی باتیں ناقابل عمل اور اکثر احکام ناقابل تعمیل ہوتے ہیں۔ کہیں انہیں سمجھانا بھی پڑتا ہے اور کبھی روکنے ٹوکنے کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ ان سب مراحل میں کوشش کے باوجود کہیں نہ کہیں کوئی غلطی ہو ہی جاتی ہے اور کبھی نہ کبھی کوئی کوتاہی رہ ہی جاتی ہے۔ یہاں اس سیاق وسباق میں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف تمہارے ظاہری عمل اور رویے ہی کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کی نیتوں کو بھی جانتا ہے۔ چنانچہ اگر بندے کے دل کا رجوع اللہ کی طرف ہو اور نیت اس کی نافرمانی کی نہ ہو تو چھوٹی موٹی لغزشوں کو وہ معاف فرمانے والا ہے۔

آیت ۲۶ ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝۲۶﴾ ''اور حق ادا کرو قرابت داروں' مسکینوں اور مسافروں کا اور فضول میں مال مت اڑاؤ۔''

تبذیر کے معنی بلاضرورت مال اڑانے کے ہیں اور یہ اسراف سے بڑا جرم ہے۔ اسراف تو یہ ہے کہ کسی ضرورت میں ضرورت سے زائد خرچ کیا جائے۔ مثلاً کھانا کھانا ایک ضرورت ہے اور یہ ضرورت دو روٹیوں اور تھوڑے سے سالن سے بخوبی پوری ہو جاتی ہے' مگر اسی ضرورت کے لیے اگر کئی کئی کھانوں پر مشتمل دسترخوان سجا دیے جائیں تو یہ اسراف ہے۔ اسی

طرح کپڑا انسان کی ضرورت ہے جس کے لیے ایک دو جوڑے کافی ہیں۔ اب اگر الماریوں کی الماریاں طرح طرح کے جوڑوں' سوٹوں اور پوشاکوں سے بھری پڑی رہیں تو یہ اسراف کے زمرے میں آئے گا۔ اسراف کے مقابلے میں تبذیر سے مراد ایسے بے تحاشا اخراجات ہیں جن کی سرے سے ضرورت ہی نہ ہو' مثلاً شادی بیاہ کی رسموں پر بے حساب خرچ کرنا اور نام ونمود کے لیے طرح طرح کے مواقع پیدا کر کے ان پر مال و دولت کو ضائع کرنا تبذیر ہے۔

آیت ۲۷ ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ﴾ ''یقیناً مال کو فضول اڑانے والے شیاطین کے بھائی ہیں۔''

یہاں پر مبذرین کو جو شیاطین کے بھائی قرار دیا گیا ہے' اس کی منطق اور بنیاد کیا ہے؟ یہ بات جب میری سمجھ میں آئی تو مجھ پر قرآن کے اعجاز کا ایک نیا پہلو منکشف ہوا۔ سورۃ المائدۃ کی آیت ۹۱ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ.....﴾ ''شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کرے شراب اور جوئے کے ذریعے سے.....'' اس آیت کے مضمون پر غور کرنے سے یہ حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ شراب اور جوا شیطان کے وہ خطرناک ہتھیار ہیں جن کی مدد سے وہ انسانوں کے درمیان بغض و عداوت کی آگ کو بھڑکا کر اپنے ایجنڈے کی تکمیل چاہتا ہے۔ چنانچہ اگر شیطان کا ہدف انسانوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف بغض اور عداوت کے جذبات پیدا کرنا ہے تو اس کا یہ ہدف تبذیر کے عمل سے بھی بخوبی پورا ہو جاتا ہے اور یوں ''مبذرین'' اس مکروہ ایجنڈے کی تکمیل کے لیے شیطان کے کندھے سے کندھا اور اس کے قدم سے قدم ملائے سرگرمِ عمل نظر آتے ہیں۔ اس تلخ حقیقت کو ایک مثال سے سمجھیں۔ ذرا تصور کریں کہ ایک سیٹھ صاحب کی بیٹی کی شادی کے موقع پر اس کی کوٹھی بقعۂ نور بنی ہوئی ہے' خوب دھوم دھڑکا ہے اور محض نمود ونمائش کے لیے مال و دولت کو بے دریغ لٹایا جا رہا ہے۔ دوسری طرف اسی سیٹھ صاحب کا ایک ملازم ہے جو صرف اپنی غربت کے سبب اپنی بیٹی کے ہاتھ پیلے نہیں کر پا رہا اور سیٹھ صاحب کے یہ تمام تبذیری چلن اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے لازمی طور پر اس غریب کے دل میں نفرت' بغض اور دشمنی کا لاوا جوش مارے گا۔ اب اگر اسے موقع ملے تو یہ آتش فشاں پوری شدت سے پھٹے گا اور وہ غریب ملازم اپنے مالک کا پیٹ پھاڑ کر اس کی دولت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اسی طرح

فضول لٹائی جانے والی دولت کی نمائش سے امراء کے خلاف معاشرے کے محروم لوگوں کے دلوں میں بغض وعداوت اور نفرت کی آگ بھڑکتی ہے اور یوں شیطان کے ایجنڈے کی تکمیل ہوتی ہے۔اسی شیطانی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے معاونین کا کردار ادا کرنے کے باعث مبذرین کو یہاں ''اِخوان الشّیاطین'' قرار دیا گیا ہے۔

﴿وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ ''اور یقیناً شیطان اپنے رب کا بہت ہی ناشکرا ہے۔''

آیت ۲۸ ﴿وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا﴾ ''اور اگر تمہیں اعراض کرنا ہی پڑ جائے اُن سے اپنے رب کی رحمت کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہے''

کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ کوئی محتاج اپنی کسی حاجت برآری کے لیے ایسے موقع پر آپ کے پاس آتا ہے جب آپ کے پاس بھی اسے دینے کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔آپ کو اللہ تعالیٰ سے اچھے دنوں اور فراخ دستی کی امید تو ہے مگر وقتی طور پر آپ سائل کی حاجت سے اعراض کرنے پر مجبور ہیں اور چاہتے ہوئے بھی اس کی مدد نہیں کر سکتے۔ اگر تمہیں کسی وقت ایسی صورت حال کا سامان ہو:

﴿فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا﴾ ''تو ان سے کہو نرم بات۔''

ایسے موقع پر سائل کو جھڑکو نہیں' بلکہ متانت اور شرافت سے مناسب الفاظ میں اس سے معذرت کر لو۔

آیت ۲۹ ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ﴾ ''اور نہ باندھ لو اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ساتھ''

یہ استعارہ ہے بخل اور کنجوسی کا۔یعنی آپ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ساتھ باندھ کر کسی کو کچھ دینے سے خود کو معذور نہ کر لیں۔

﴿وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ ''اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو''

بعض اوقات انسان کے اندر نیکی کا جذبہ اس قدر جوش کھاتا ہے کہ وہ اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دینا چاہتا ہے۔

﴿فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾ ''کہ پھر بیٹھے رہو ملامت زدہ ہارے ہوئے۔''

ایسا نہ ہو کہ ایک وقت میں تو جذبات میں آ کر انسان سارا مال قربان کر دے مگر بعد میں

پچھتائے کہ یہ میں نے کیا کر دیا؟ اب کیا ہو گا؟ اب میری اپنی ضروریات کہاں سے پوری ہوں گی؟ چنانچہ انسان کو ہر حال میں اعتدال کی روش اختیار کرنی چاہیے۔

آیت ۳۰ ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ﴾ ''یقیناً تمہارا رب کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے)۔''

بعض اوقات اللہ کا کوئی بندہ چاہتا ہے کہ میں کوشش کر کے اپنے فلاں نادار رشتہ دار کے حالات بہتر کر دوں' مگر اس کی پوری کوشش کے باوجود اس کے حالات نہیں سدھرتے۔ایسی کیفیت کے بارے میں فرمایا گیا کہ کسی کے رزق کی تنگی اور فراخی کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے' اس میں تم لوگوں کو کچھ اختیار نہیں۔لہٰذا تم لوگ اپنی سی کوشش کرتے رہو اور نتائج اللہ پر چھوڑ دو۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا﴾ ''یقیناً وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا (اور ان کے حالات کو) دیکھنے والا ہے۔''

آیت ۳۱ ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾ ''اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے اندیشے سے۔''

قدیم زمانے میں قتل اولاد کا محرک افلاس کا خوف ہوا کرتا تھا۔آج کل ہمارے ہاں برتھ کنٹرول اور آبادی کی منصوبہ بندی کے بارے میں جو اجتماعی سوچ پائی جاتی ہے اور اس سوچ کے مطابق انفرادی اور اجتماعی سطح پر جو کوششیں ہو رہی ہیں ان کی کئی صورتیں بھی اس آیت کے حکم میں آتی ہیں۔اس سلسلے میں مجموعی طور پر کوئی ایک حکم نہیں لگایا جا سکتا۔اس کی تمام صورتیں حرام مطلق نہیں' بلکہ بعض صورتیں جائز بھی ہیں' جبکہ بعض مکروہ اور بعض حرام۔مگر ایسی سوچ کو ایک اجتماعی تحریک کی صورت میں منظم کرنا بہر حال ایمان اور توکل علی اللہ کی نفی ہے۔اس کوشش کا سیدھا اور صاف مطلب یہ ہے کہ انسان کو اللہ کے رازق ہونے پر ایمان و یقین نہیں اور وہ خود اپنی جمع تفریق سے حساب پورا کرنے کی کوششیں کرنا چاہتا ہے۔دراصل انسان اللہ کے خزانوں اور وسائل کی وسعتوں کا کچھ اندازہ نہیں کر سکتا اور اسے اپنی اس کوتاہی اور معذوری کا ادراک ہونا چاہیے۔مثلاً کچھ عرصہ پہلے تک انسان کو اندازہ نہیں تھا کہ سمندر کے اندر انسانی غذا کے کس قدر وسیع خزانے پوشیدہ ہیں اور اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ سمندری گوشت ﴿لَحْمًا طَرِيًّا﴾ (النحل:۱۴ اور فاطر:۱۲) کی افادیت انسانی صحت کے لیے red meat کے مقابلے میں کس قدر زیادہ ہے۔

اس ضمن میں ایک اہم بات یہ جاننے کی ہے کہ مختلف مانع حمل طریقوں اور کوششوں پر ''قتل اولاد'' کے حکم کا اطلاق نہیں ہوتا' لیکن باقاعدہ حمل ٹھہر جانے کے بعد اسے ضائع کرنا بہرحال قتل کے زمرے میں ہی آتا ہے۔

﴿نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ﴾ ''ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔''

تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں جو رزق مل رہا ہے وہ تمہاری اپنی محنت اور منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔ ایسا ہرگز نہیں' تمہارے حقیقی رازق ہم ہیں اور جیسے ہم تمہیں رزق دے رہے ہیں اسی طرح تمہاری اولاد کے رزق کا بندوبست بھی ہمارے ذمہ ہے۔

﴿اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿٣١﴾﴾ ''یقیناً ان کو قتل کرنا بہت بڑی خطا ہے۔''

آیت ۳۲ ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى﴾ ''اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ''

یہاں ''زنا مت کرو'' کے بجائے وہ حکم دیا جا رہا ہے جس میں انتہائی احتیاط کا مفہوم پایا جاتا ہے کہ زنا کے قریب بھی مت پھٹکو۔ یعنی ہر اس معاملے سے خود کو محفوظ فاصلے پر رکھو جو تمہیں زنا تک لے جانے یا پہنچانے کا سبب بن سکتا ہو۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿٣٢﴾﴾ ''یقیناً یہ بہت بے حیائی کا کام ہے' اور بہت ہی برا راستہ ہے۔''

آیت ۳۳ ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ﴾ ''اور مت قتل کرو اُس انسانی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ۔''

یہاں ''حق'' سے مراد چند وہ صورتیں ہیں جن میں انسانی جان کا قتل جائز ہے۔ ان میں خون کا بدلہ خون' اسلامی ریاست میں مرتد کی سزا موت' شادی شدہ زانی اور زانیہ کا رجم اور حربی کافر کا قتل شامل ہے۔

﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا﴾ ''اور جسے قتل کر دیا گیا مظلومی میں' تو اس کے ولی کو ہم نے اختیار دیا ہے''

اسلامی قانون میں مقتول کے ورثاء کو اختیار ہے کہ وہ جان کے بدلے جان کی سزا پر اصرار کریں یا معاف کر دیں یا پھر خون بہا لے لیں۔ یہ تینوں اختیارات مقتول کے ورثاء ہی کو حاصل ہیں۔ کسی عدالت یا سربراہِ مملکت کو اس میں کچھ اختیار نہیں۔

﴿فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ﴾ ''تو وہ بھی قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے۔''

یعنی جان کے بدلے جان کا فیصلہ ہو تو اس میں تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک آدمی کے بدلے مخالف فریق کے زیادہ لوگ قتل کر دیے جائیں' طریقہ قتل میں کسی قسم کی زیادتی کی جائے یا کسی بھی انداز میں اپنے اس اختیار کا ناجائز استعمال کیا جائے۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿٣٣﴾﴾ ''اُس کی مدد کی جائے گی۔''

قاتل کو پکڑنے' اس پر مقدمہ چلانے اور انصاف دلانے تک کے طویل اور پیچیدہ عمل میں ہر مرحلے پر مقتول کے ورثاء کی مدد کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلے میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ قتل کے مقدمات میں ریاست یا حکومت مدعی نہیں بنے گی' بلکہ مقتول کے ورثاء ہی مدعی ہوں گے۔ ہمارے ہاں جو ''سرکار بنام فلاں'' کے عنوان سے مقدمہ بنتا ہے وہ معاملہ سراسر غیر اسلامی ہے۔

آیت ۳۴ ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ ''اور مت قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر احسن طریقے سے''

یہ آیت قبل ازیں ہم سورۃ الانعام (آیت ۱۵۲) میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ یعنی یتیم کے مال کو ہڑپ کرنے' اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے یا اسے ضائع کرنے کی کوشش نہ کرو' بلکہ اس کی حفاظت کرو اور اسے ہر طرح سے سنبھال کر رکھو:

﴿حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪﴾ ''یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے''

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴿٣٤﴾﴾ ''اور عہد کو پورا کرو' یقیناً عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی۔''

آیت ۳۵ ﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ﴾ ''اور جب تم ناپو تو پیمانہ پورا بھرو' اور وزن کرو سیدھی ترازو کے ساتھ۔''

﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿٣٥﴾﴾ ''یہی بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی خوب تر ہے۔''

اگر تم ناپ تول پورا کرتے ہو اور لین دین کے تمام معاملات دیانتداری سے سرانجام دیتے ہو تو حضرت شعیب علیہ السلام کے فرمان کے مطابق: ﴿بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ﴾ (ھود:۸۶) ''اللہ کا دیا ہوا منافع ہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو''۔ دیانتداری سے کمایا ہوا منافع تھوڑا بھی ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا کرے گا۔

آیت ۳۶ ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ﴾ ’’اور مت پیچھے پڑو اُس چیز کے جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں۔‘‘

بحیثیت اشرف المخلوقات انسان کا طرزِ عمل خالص علم پر مبنی ہونا چاہیے۔ اسے زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے کسی عمل یا نظریے کی بنیاد توہمات پر رکھے یا ایسی معلومات کو لائق اعتناء سمجھے جن کی کوئی علمی سند نہ ہو۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود انسانی علم کی بنیاد اور اس کا منبع کیا ہے؟ اس سلسلے میں ہم جانتے ہیں کہ بنیادی طور پر انسانی علم کی دو اقسام ہیں۔ ایک اکتسابی علم (acquired knowledge) اور دوسرا الہامی علم (revealed knowledge)۔ اکتسابی علم کی بنیاد وہی علم الاسماء ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا تھا اور جس کا ذکر ہم سورۃ البقرۃ کے چوتھے رکوع میں پڑھ آئے ہیں۔ اس علم کا تعلق انسانی حواس اور ذہن سے ہے۔ انسان اپنے حواس کی مدد سے یہ علم حاصل کر کے اپنے ذہن میں محفوظ کرتا رہتا ہے۔ جوں جوں انسان کے تجربے اور مشاہدے کا دائرہ پھیلتا ہے اس علم میں بھی توسیع ہوتی جاتی ہے اور یوں یہ علم کرۂ ارض پر انسانی زندگی کے روزِ اوّل سے لے کر آج تک مسلسل ارتقا پذیر ہے۔ دوسری طرف الہامی علم ہے جس کا انسان کے حواس سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس علم کے تمام ذرائع مثلاً وحی (جلی یا خفی)‘ الہام‘ کشف اور رؤیائے صادقہ (سچے خواب) کا تعلق انسان کے حیوانی وجود کے بجائے اس کے روحانی وجود سے ہے۔ انسانی روح اس علم کو براہِ راست موصول کرتی ہے اور اس کا مسکن و مرکز انسانی قلب ہے۔ اس سلسلے میں دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی وحی‘ چاہے جلی ہو یا خفی‘ نبوت کا حصہ ہے اور علمی لحاظ سے ایک قطعی دلیل یا برہانِ قاطع ہے۔ لیکن کسی عام شخص کو وحی خفی‘ الہام یا کشف کے ذریعے ملنے والا علم دوسروں کے لیے کوئی علمی دلیل فراہم نہیں کرتا۔ ایسا علم صرف متعلقہ شخص کے لیے دلیل ہو سکتا ہے اور وہ بھی صرف اس صورت میں جب وہ خلافِ شریعت نہ ہو۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو آیت زیرِ نظر میں انسان کا اکتسابی علم زیرِ بحث ہے۔

﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝۳۶﴾ ’’یقیناً سماعت‘ بصارت اور عقل سبھی کے بارے میں باز پُرس کی جائے گی۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم کے اکتساب و استعمال کے لیے حواسِ خمسہ (جن میں سے دو اہم ترین حواس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے) اور عقل سے نوازا ہے اور اس لحاظ سے اس کی ان

صلاحیتوں کا احتساب بھی ہوگا۔ یہاں پر لفظ فؤاد بہت اہم ہے جس کی وضاحت ضروری ہے۔ عام طور پر اس لفظ کا ترجمہ ’’دل‘‘ کیا گیا ہے‘ مگر اس ترجمے کے لیے کوئی لغوی بنیاد موجود نہیں۔ اس لفظ کا مادہ وہی ہے جس سے لفظ ’’فائدہ‘‘ مشتق ہے اور لفظ ’’فائدہ‘‘ کے معنی کسی چیز کے اس جوہر یا لب لباب کے ہیں جو اس چیز میں سے اصل مقصود ہوتا ہے۔ پرانے دور کی کتب میں یہ انداز عام ملتا ہے کہ کوئی حکایت یا روایت بیان کرنے کے بعد اس کا نتیجہ بیان کرنے کے لیے لفظ ’’فائدہ‘‘ یا صرف ’’ف‘‘ لکھ دیا جاتا تھا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی تفصیل کے خلاصہ یا کسی کام کے نتیجہ کو فائدہ کہا جاتا ہے۔ لفظ ’’فئید‘‘ بھی اسی مادہ سے مشتق ہے۔ عربی میں ’’فئید‘‘ کسی سبزی یا گوشت وغیرہ کی بھجیا کو کہا جاتا ہے اور اس لفظ (فئید) میں بھی نتیجہ یا خلاصہ وغیرہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یعنی گوشت وغیرہ کو ابالنے یا بھوننے سے جب اس کا فالتو پانی خشک ہو جاتا ہے تب اس میں سے بہت تھوڑی مقدار میں وہ چیز حاصل ہوتی ہے جس پر لفظ فئید کا اطلاق ہوتا ہے۔

اس لغوی وضاحت کے بعد لفظ ’’فؤاد‘‘ کے مفہوم اور انسانی حواس کے ساتھ اس کے تعلق کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ حواسِ انسانی اپنے اپنے ذرائع سے معلومات حاصل کر کے دماغ تک پہنچاتے ہیں۔ دماغ کا کمپیوٹر ان معلومات کو process کرتا ہے‘ پہلے سے موجود اپنے ذخیرۂ معلومات کے ساتھ ان کا تطابق (tally) یا تقابل (compare) کر کے اس سارے عمل سے کوئی نتیجہ اخذ کرتا ہے اور پھر اس نتیجہ کو اپنے ذخیرۂ معلومات (memory) میں محفوظ (store) کر لیتا ہے۔ اسی ذخیرۂ معلومات کا نام علم ہے اور انسان کی وہ قوت یا صلاحیت جو اس سارے عمل کو ممکن بناتی ہے ’’فواد‘‘ کہلانے کی مستحق ہے۔ عرفِ عام میں اس قوت یا صلاحیت کو عقل یا شعور کہا جاتا ہے۔ چنانچہ میرے نزدیک ’’فواد‘‘ کا درست ترجمہ عقل یا شعور ہی ہے۔

اس پورے تناظر میں اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مفید حواس (sense organs) عطا کیے ہیں اور ان حواس سے حاصل ہونے والی معلومات کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت سے اسے نوازا ہے۔ اب اگر انسان اپنے ان حواس سے استفادہ نہ کرے‘ عقل و شعور کی صلاحیت سے کوئی کام نہ لے اور اپنے نظریات کی بنیاد توہمات پر رکھ لے تو وہ بہت بڑے ظلم کا مرتکب ہوگا۔ مثلاً زلزلے کے بارے میں کبھی لوگوں میں یہ نظریہ مشہور تھا کہ ہماری یہ زمین ایک بیل نے اپنے ایک سینگ پر اٹھا رکھی ہے۔ جب وہ تھک جاتا ہے تو اسے دوسرے سینگ پر منتقل کرتا ہے‘ جس سے زلزلہ آ جاتا ہے۔ اس مضحکہ خیز نظریے کے لیے نہ تو قرآن و

حدیث میں کوئی دلیل موجود ہے اور نہ ہی انسان کے اکتسابی اور تجرباتی علوم اس کے لیے کوئی دلیل فراہم کرتے ہیں —— یہی وجہ ہے کہ انسان کو اپنی ان صلاحیتوں کے حوالے سے اس ہستی کے سامنے جوابدہ رکھا گیا ہے جس نے اسے یہ سب کچھ عطا کیا ہے۔ چنانچہ انسان کو چاہیے کہ جس چیز یا خبر کی بنیاد میں الہامی یا اکتسابی و تجرباتی علم کی کوئی قطعی دلیل موجود نہ ہو اُسے قابلِ اعتناء نہ سمجھے اور اپنے فکار و نظریات کی بنیاد ایسے ٹھوس علمی حقائق پر رکھے جن کی وہ سائنٹیفک انداز میں توثیق و تصدیق بھی کر سکتا ہو۔ یہ آیت اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس نے علمی میدان میں نوعِ انسانی کی راہنمائی اس راستے کی طرف کی ہے جو انسان کے شایانِ شان ہے۔

یہاں پر ارسطو کے استخراجی فلسفے کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ایک مدت تک پوری دنیا میں اس فلسفے کا ڈنکا بجتا رہا۔ عالم اسلام میں بھی یہ فلسفہ بہت مقبول رہا اور کئی صدیوں کے بعد اب جا کر کہیں اس کی گرفت ڈھیلی ہوئی ہے۔ استخراجی منطق (deductive knowledge) کے مطابق صرف دستیاب معلومات سے ہی نتائج اخذ کیے جاتے تھے۔ چنانچہ کسی موضوع پر جو تھوڑی بہت معلومات دستیاب ہوتی تھیں، وقت کے فلسفی اور حکیم انہی میں سے بال کی کھال اتار اتار کر نتائج اخذ کرتے رہتے تھے۔ اس کے مقابلے میں قرآن نے استقرائی منطق (inductive knowledge) کا فلسفہ متعارف کرایا اور انسان کو مشاہدے اور تجربے کی مدد سے مسلسل علم حاصل کرنے کی راہ دکھائی: ﴿اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾﴾ (الغاشیۃ) ''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں اونٹ کی طرف کہ کیسے پیدا کیا گیا ہے۔ اور آسمان کی طرف کہ کیسے بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے نصب کیے گئے ہیں۔ اور زمین کی طرف کہ کیسے ہموار کی گئی ہے!'' علامہ اقبال نے اس فکرِ قرآنی کی ترجمانی یوں کی ہے:

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

فطرت اور مظاہر فطرت کے بارے میں ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے قوانین بہت مضبوط اور مستحکم ہونے کے باوجود اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔ اللہ جب چاہے فطرت کے ان قوانین کو معطل کر سکتا ہے یا بدل سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اصل حقیقت یہی ہے کہ اس کائنات کا عمومی نظام بہت مضبوط، محکم اور اٹل طبعی اصول و قوانین پر چل رہا ہے اور ان قوانین

کو معطل کرنے کے معجزات روز روز رونما نہیں ہوتے۔ سمندر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے نوعِ انسانی کی تاریخ میں ایک ہی دفعہ پھٹا تھا اور آگ نے ایک ہی دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے سے انکار کیا تھا۔ بہر حال دنیا میں طبعی سائنس (Physical Science) کی مختلف ٹیکنالوجیز کا وجود فطرت کے اٹل قوانین کا ہی مرہونِ منت ہے اور اسی وجہ سے آج طرح طرح کی سائنسی ترقی ممکن ہوئی ہے۔ اسی بنیاد پر قرآن ان مظاہر فطرت کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں قرار دیتا ہے اور انسان کو دعوتِ فکر دیتا ہے کہ وہ اللہ کی ان نشانیوں کو غور سے دیکھے، ان کے اندر کارفرما قوانین کا تجزیاتی مطالعہ کر کے نتائج اخذ کرے اور پھر ان نتائج کو کام میں لا کر اپنی زندگی میں ترقی کی نئی منازل تلاش کرے۔

علامہ اقبال نے اسی حوالے سے اپنے خطبات میں فرمایا ہے: "The inner core of the western civilization is Quranic." کہ موجودہ مغربی تہذیب کا اندرونی محور خالص قرآنی ہے، کیونکہ اس کی بنیاد سائنس پر ہے اور سائنسی علوم کی طرف انسان کی توجہ قرآن نے مبذول کروائی ہے۔ بہر حال قرآن انسان کو ہر قسم کے توہمات، رمل، نجوم، پامسٹری وغیرہ سے بیزار کر کے اپنے معاملات اور نظریات کی بنیاد ٹھوس علمی حقائق پر رکھنے کی ہدایت کرتا ہے۔

انسانی زندگی کے سفر میں توازن رکھنے کے لیے مذکورہ دونوں قسم کے علوم (اکتسابی اور الہامی) اپنے اپنے دائرۂ عمل میں نہایت اہم ہیں۔ دونوں کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے فوراً بعد آپؑ کو علم الاسماء (یہ وہی علم ہے جس کا تعلق انسانی حواس سے ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ جس کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے) سے بھی نواز دیا گیا تھا اور آپؑ کو زمین پر بھیجتے وقت الہامی علم کی اتباع کی ہدایت بھی کر دی گئی تھی: ﴿فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾﴾ (البقرۃ) ''پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت، تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔''

یورپی معاشرہ اس سلسلے میں بہت بڑی کوتاہی کا مرتکب ہوا ہے کہ اس معاشرے میں ساری توجہ اکتسابی علم پر مرکوز کر کے الہامی علم سے بالکل ہی صرفِ نظر کر لیا گیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو آنکھیں دی تھیں، ان میں ایک اکتسابی علم کی آنکھ تھی اور دوسری الہامی علم کی۔ یورپ میں ایک آنکھ کو مکمل طور پر بند کر کے ہر چیز کو دیکھنے اور پرکھنے کے لیے دوسری اکیلی آنکھ

پر ہی انحصار کر لیا گیا۔ نتیجتاً نہ تو انسان کی سوچ میں اعتدال رہا نہ عمل میں توازن' اور یوں اس پورے معاشرے نے یک چشمی دجالیت کی شکل اختیار کر لی۔

آیت ۳۷ ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾﴾ ''اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو' نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکو گے اور نہ ہی پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکو گے۔''

تم جس قدر چاہو طاقت ور ہو جاؤ' اور ہماری زمین پر جتنا بھی اکڑ اکڑ کر اور پاؤں مار مار کر چل لو' تم اپنی طاقت سے زمین کو پھاڑ نہیں سکتے' اور جس قدر چاہو گردن اکڑا لو اور طُرّہ و دستار سے سر بلند کر لو' تم قد میں ہمارے پہاڑوں کے برابر تو نہیں ہو سکتے۔

آیت ۳۸ ﴿كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾﴾ ''ان سب باتوں کی برائی (کا پہلو) تیرے رب کو بہت ناپسند ہے۔''

یعنی یہ جتنے بھی احکام ہیں ان میں اوامر (Do's) بھی ہیں اور نواہی (Don'ts) بھی۔ جہاں کسی کام کے کرنے کا حکم ہے وہاں اسے نہ کرنا برائی ہے اور جہاں کسی کام سے روکا گیا ہے وہاں اس میں ملوث ہونا برائی ہے۔ اور نافرمانی اور برائی اللہ تعالیٰ کو ہر صورت میں ناپسند ہے۔

آیت ۳۹ ﴿ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ﴾ ''یہ ہے جو (اے محمد ﷺ!) آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی ہے حکمت میں سے۔''

یہ احکامِ نوعِ انسانی کے لیے خزینۂ حکمت ہیں۔ انسانی تہذیب و تمدن' ثقافت اور اجتماعیت کے ان اصولوں پر کاربند ہو کر انسان اسی دنیا میں اپنی اجتماعی زندگی کو جنت بنا سکتا ہے۔

﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾﴾ ''اور مت ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود' ورنہ تم جھونک دیے جاؤ گے جہنم میں ملامت زدہ' دھتکارے ہوئے۔''

یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ ان احکام میں اول و آخر توحید کا حکم دیا گیا ہے۔ آغاز میں ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ کے الفاظ آئے تھے' جبکہ آخر میں اسی مضمون کو ﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ کے الفاظ میں پھر دہرایا گیا ہے۔

آیت ۴۰ ﴿اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ﴾ ''تو کیا تمہیں تو منتخب

کر لیا ہے تمہارے رب نے بیٹوں کے ساتھ اور اپنے لیے بنالی ہیں فرشتوں میں سے بیٹیاں؟''

یہ اہلِ عرب کے اس عقیدے کا جواب ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یہ لوگ بیٹوں پر فخر کرتے تھے اور بیٹیوں کو اپنے لیے باعثِ عار سمجھتے تھے۔ ان کی اسی سوچ کی بنیاد پر ان سے سوال کیا گیا ہے کہ جس چیز کو اپنے لیے عار سمجھتے ہو اسے آخر کس منطق کے مطابق اللہ سے منسوب کرتے ہو؟

﴿اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾﴾ ''یہ تو تم بہت بڑی (گستاخی کی) بات کہتے ہو!''

آیات ۴۱ تا ۵۲

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۙ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾

آیت ۴۱ ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ﴾ ''اور ہم نے پھیر پھیر کر بیان کیا ہے اس قرآن میں (اپنی آیات کو) تاکہ یہ سبق حاصل کریں۔''

ان کی نصیحت کے لیے ہم نے قرآن میں اسلوب بدل بدل کر حق کو واضح کیا ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے بارے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں قرآن کا لفظ اور ذکر بار بار آیا ہے۔ گویا اس سورت کے مضامین کا تانا بانا قرآن سے متعلق ہے۔ اس سے پہلے آیت ۹ میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ﴾۔ آیت زیر نظر میں بھی قرآن کا ذکر ہے اور یہ ذکر اس انداز میں آئندہ آیات میں بھی بار بار آئے گا۔

﴿وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾﴾ ''مگر یہ نہیں بڑھاتا انہیں مگر نفرت ہی میں۔''

یہ ان لوگوں کی بدبختی ہے کہ قرآن میں گوناگوں اسلوبوں میں حق واضح ہو جانے کے باوجود ان کی بیزاری اور نفرت ہی میں اضافہ ہو رہا ہے اور وہ حق سے اور زیادہ دور بھاگے جا رہے ہیں۔

آیت ۴۲ ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾﴾

''آپؐ کہیے کہ اگر اُس کے ساتھ کچھ دوسرے معبود بھی ہوتے، جیسا کہ یہ کہتے ہیں، تب تو وہ ضرور تلاش کرتے صاحبِ عرش کی طرف کوئی راستہ۔''

اگر واقعی اللہ کے ساتھ ساتھ دوسرے معبودوں کا بھی کوئی وجود ہوتا تو وہ ضرور سرکشی اور بغاوت کرتے ہوئے اس کے مقابلے میں آنے کی کوشش کرتے۔ جس طرح چھوٹے چھوٹے راجوں کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح کوشش کر کے مہاراجہ کی کرسی تک پہنچ جائیں، اور اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے وہ بغاوت تک کا خطرہ مول لے لیتے ہیں، اسی طرح اگر اللہ کے بھی شریک ہوتے تو وہ بھی اللہ کے مقابلے میں ضرور مہم جوئی کرتے اور اگر ایسا ہوتا تو اس کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔

آیت ۴۳ ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِیْرًا ﴿۴۳﴾﴾ ''وہ پاک ہے اور بہت ہی بلند و برتر ہے ان باتوں سے جو یہ کہہ رہے ہیں۔''

آیت ۴۴ ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ﴾ ''اُسی کی تسبیح میں لگے ہوئے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور (وہ تمام مخلوق بھی) جو ان میں ہے۔''

اس کائنات کی ایک ایک چیز، چاہے جاندار ہو یا بظاہر بے جان، وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ تسبیح کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز اپنے وجود سے گویا اپنے خالق کی خلاقی اور اپنے صانع کی صناعی کا اعلان کر رہی ہے۔ جیسے ایک تصویر اپنے مصور کے معیارِ فن کا اظہار کرتی ہے، لیکن تمام مخلوقات کا ایک طرزِ تسبیح قولی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو زبان عطا کر رکھی ہے اور وہ اپنی زبان خاص سے اللہ کی تسبیح میں مصروف ہے۔

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ﴾ ''اور کوئی چیز نہیں مگر یہ کہ وہ تسبیح کرتی ہے اُس کی حمد کے ساتھ، لیکن تم نہیں سمجھ سکتے ان کی تسبیح کو۔''

﴿اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾﴾ ''یقیناً وہ بہت تحمل والا، بہت بخشنے والا ہے۔''

ہر چیز کا یہی اندازِ تسبیح ہے جس کا ادراک انسان نہیں کر سکتے۔ سورۂ حٰمٓ السجدہ کی آیت ۲۱ میں اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا ذکر ہے کہ اُس نے ہر چیز کو قوتِ ناطقہ عطا کی ہے۔ روزِ محشر جب انسانوں کے اپنے اعضاء ان کے خلاف شہادت دیں گے تو وہ حیران ہو کر اپنی کھالوں سے پوچھیں گے کہ یہ سب کیا ہے؟ ﴿قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ ''ان کے چمڑے جواب میں کہیں گے کہ ہمیں اُس اللہ نے قوتِ گویائی عطا کی ہے جس نے ہر چیز کو بولنا سکھایا ہے۔''

آیت ۴۵ ﴿وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾﴾ ''اور جب آپؐ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپؐ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ایک مخفی پردہ حائل کر دیتے ہیں۔''

اس آیت میں ایک دفعہ پھر قرآن کا ذکر آیا ہے۔ یہاں ایک غیر مرئی پردے کا ذکر ہے جو منکرین آخرت اور ہدایت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ ایسے لوگوں کے ہر عمل کا معیار و مقصود صرف اور صرف دنیا کی زندگی ہے۔ وہ نہ تو آخرت کی زندگی کے قائل ہیں اور نہ ہی وہاں کے اجر و ثواب کے بارے میں سنجیدہ۔ دنیا میں وہ ''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' کے نظریے پر زندگی بسر کر رہے ہیں اور قرآن کو یا ہدایت کی کسی بھی بات کو توجہ سے نہیں سنتے۔ ایسے لوگوں کو ان کے اسی رویے کی بنا پر ہدایت سے مستقلاً محروم کر دیا جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ اللہ کا قانون ہے اس لیے آیت زیر نظر میں اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ جب آپ ﷺ انہیں قرآن پڑھ کر سناتے ہیں تو ان کے غیر سنجیدہ رویّے کی بنا پر ہم آپ ﷺ

کے اوران کے درمیان ایک غیر مرئی پردہ حائل کر دیتے ہیں۔

آیت ۴۶ ﴿وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ﴾ ''اوران کے دلوں پر بھی ہم پردے ڈال دیتے ہیں کہ وہ اسے سمجھ نہ سکیں' اوران کے کانوں میں ثقل (پیدا کر دیتے ہیں)۔''

﴿وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴾ ''اور جب آپؐ قرآن میں تنہا اپنے رب ہی کا ذکر کرتے ہیں تو یہ اپنی پیٹھیں موڑ کر چل دیتے ہیں نفرت کے ساتھ۔''

یہ لوگ اپنے تعصب کی وجہ سے اکیلے اللہ کا ذکر بطور معبود برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ ساتھ اُن کے معبودوں کا بھی کبھی کبھار ذکر ہوا کرے اور ایسا نہ ہونے کی صورت میں وہ اکیلے اللہ کا ذکر سننے کو تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ وہ بدک کر نفرت کے ساتھ پیٹھ موڑ کر چلے جاتے ہیں۔

آیت ۴۷ ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ﴾ ''ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے وہ توجہ سے سنتے ہیں اس (قرآن) کو جب وہ کان لگائے بیٹھے ہوتے ہیں آپؐ کی طرف''

قریشِ مکہ کی اس چال کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ اُن کے بعض بڑے سردار اپنے عوام کو دھوکا دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آتے اور بظاہر بڑے انہماک سے سب کچھ سنتے۔ پھر واپس جا کر کہتے کہ لو جی ہم تو بڑے خلوص اور اشتیاق کے ساتھ گئے تھے محمد (ﷺ) کی محفل میں کہ وہ جو کلام پیش کرتے ہیں اس کو سنیں اور سمجھیں' مگر افسوس کہ ہمیں تو وہاں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ اس طرح وہ کوشش کرتے کہ ان کے عوام بھی ان کے ہم نوا بن جائیں اور ان میں بھی یہ سوچ عام ہو جائے کہ یہ بڑے بڑے سردار آخر سمجھدار ہیں' بات کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں' محمد (ﷺ) کی بات سننے اور سمجھنے کے لیے مخلص بھی ہیں اور اسی اخلاص میں وہ خصوصی طور پر آپ (ﷺ) کی مجلس میں بھی جاتے ہیں۔ اگر اس نئے کلام میں کوئی خاص بات ہوتی تو وہ ضرور ان کی سمجھ میں آ جاتی۔ اب جب یہ لوگ وہاں جا کر اور اس کلام کو سن کر کہہ رہے ہیں کہ اس میں کچھ بھی خاص بات نہیں ہے تو یقیناً یہ لوگ سچ ہی کہہ رہے ہیں۔

﴿وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴾ ''اور جب وہ علیحدگی میں سرگوشیاں کرتے ہیں' جب یہ ظالم (ایک دوسرے سے) کہہ رہے ہوتے ہیں کہ تم نہیں پیروی کر رہے ہو مگر ایک سحر زدہ شخص کی۔''

ان میں سے کسی کے دل پر جب قرآن کی کوئی آیت اثر کرتی ہے اور وہ اس کا اظہار اپنے ساتھیوں کے ساتھ کرتا ہے کہ ہاں بھئی محمد (ﷺ) نے آج جو فلاں بات کی ہے اس میں بہت وزن ہے' اس پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے تو ایسی صورت میں وہ فوراً اس کا توڑ کرنے کے لیے اپنے اس ساتھی کو سمجھانا شروع کر دیتے ہیں کہ جی چھوڑو! تم کہاں ایک سحر زدہ آدمی کے پیچھے چل پڑے۔ اُن (ﷺ) کی باتوں پر کوئی سنجیدہ توجہ دینے کی ضرورت نہیں۔

آیت ۴۸ ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ﴾ ''دیکھئے کیسے بیان کرتے ہیں یہ لوگ آپؐ کے لیے مثالیں''

کبھی وہ آپؐ کو سحر زدہ آدمی کہتے ہیں' کبھی کاہن اور کبھی شاعر! دیکھیں کیسی کیسی بیہودہ باتیں کرتے ہیں اور اس میں بھی کسی ایک رائے پر اتفاق نہیں کر سکتے۔

﴿فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴾ ''چنانچہ وہ بھٹک گئے ہیں اور اب راہ یاب نہیں ہو سکیں گے۔''

آیت ۴۹ ﴿وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم ہو جائیں گے ہڈیاں اور چورا چورا' تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے ایک نئی تخلیق میں؟''

یہ لوگ آپؐ سے بڑی حیرت سے سوال کرتے ہیں کہ آپ (ﷺ) جو انسانوں کی دوبارہ زندگی کی بات کرتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے؟ جب ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور گوشت گل سڑ جائے گا' تو اس کے بعد ہمیں پھر سے نئی زندگی کیسے مل سکتی ہے؟ گویا ان کی سوچ کے مطابق ایسا ہونا بالکل محال اور ناممکن ہے۔

آیت ۵۰ ﴿قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴾ ''(ان سے) کہیے کہ خواہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا۔''

آیت ۵۱ ﴿اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ﴾ ''یا ایسی مخلوق (بن جاؤ) جو

تمہارے دلوں میں ان سے بھی سخت ہو۔''

اے نبی ﷺ! ان سے کہیے کہ آپ تو ہڈیوں کی بات کرتے ہو اور اپنے جسموں کے ریزہ ریزہ ہو کر ختم ہو جانے کا تصور لیے بیٹھے ہو۔ تم اگر پتھر اور لوہا بھی بن جاؤ یا اپنی سوچ کے مطابق اس سے بھی بڑھ کر کسی عجیب مخلوق کا روپ دھار لو' تب بھی تمہیں از سرِ نو اٹھا لیا جائے گا۔

﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ﴾ ''پھر کہیں گے کہ کون ہمیں دوبارہ لوٹائے گا؟''

﴿قُلِ الَّذِىْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ﴾ ''آپؐ کہیے کہ وہی جس نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا تھا۔''

﴿فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ﴾ ''پھر وہ آپؐ کے سامنے اپنے سروں کو مٹکائیں گے اور کہیں گے کہ یہ کب ہوگا؟''

لاجواب ہو کر اپنے سروں کو مٹکاتے ہوئے بولیں گے کہ چلو مان لیا کہ یہ سب کچھ ممکن ہے' مگر یہ تو بتایئے کہ ایسا ہوگا کب؟

﴿قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ۝۵۱﴾ ''آپؐ کہیے کہ ہو سکتا ہے (اس کا وقت) قریب ہی ہو۔''

عجب نہیں کہ تمہاری شامت کی وہ گھڑی آیا ہی چاہتی ہو' زیادہ دور نہ ہو۔

آیت ۵۲ ﴿يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ﴾ ''جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو تم (اُس کی پکار پر) لبیک کہو گے اُس کی حمد کرتے ہوئے''

جب وہ گھڑی آئے گی اور تمہارا خالق تمہیں قبروں سے باہر آنے کے لیے بلائے گا تو تمہاری ہڈیاں اور تمہارے جسموں کے بکھرے ذرات سب سمٹ کر پھر سے زندہ انسانوں کا روپ دھار لیں گے اور تم اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی پکار کی تعمیل میں بھاگے چلے جا رہے ہو گے۔

﴿وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۵۲﴾ ''اور تم گمان کرو گے کہ تم نہیں رہے مگر بہت تھوڑا (عرصہ)۔''

اس وقت تمہیں دُنیا اور عالم برزخ (قبر) میں اپنا بیتا ہوا زمانہ ایسے لگے گا جیسے کہ چند گھڑیاں ہی تم وہاں گزار کر آئے ہو۔

○○○

کیا نظامِ باطل میں
اطاعتِ رسول ﷺ ممکن ہے؟

بانیٔ تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** رحمہ اللہ

تنظیم اسلامی کراچی کے زیر اہتمام ۱۹۹۳ء کے دوران طیبہ مسجد گلشن اقبال' کراچی میں امیر تنظیم اسلامی اور داعیٔ تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے ''کیا نظامِ باطل میں اطاعتِ رسول ﷺ ممکن ہے؟'' کے عنوان سے خصوصی خطاب فرمایا تھا۔ آسٹریلیا میں مقیم ہمارے ایک دوست علی حفاظت نے اس خطاب کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ قرآن اکیڈمی لاہور' شعبہ مطبوعات کے ادارتی معاون حافظ محمد زاہد کی ترتیب وتسوید کے بعد یہ اہم خطاب قارئین میثاق کے لیے مضمون کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشَّیطٰن الرَّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَیۡہِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیۡکُمۡ مَّا حُمِّلۡتُمۡ ؕ وَاِنۡ تُطِیۡعُوۡہُ تَہۡتَدُوۡا ؕ وَمَا عَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۵۴﴾ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ۪ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَہُمۡ دِیۡنَہُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَہُمۡ وَلَیُبَدِّلَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِہِمۡ اَمۡنًا ؕ یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا ؕ وَمَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۵۵﴾ وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَمَاۡوٰىہُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۵۷﴾ صدق اللہ العظیم

معزز سامعین کرام!

سورۃ النور کے ساتویں رکوع کی چار آیات جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں' آج انہی کا درس دینا مطلوب ہے۔ آغاز ہی میں اپنی نیت اور ارادے کی تصحیح کر لیجیے۔ اس لیے کہ قرآن حکیم کا سننا اور پڑھنا اس نیت کے ساتھ ہونا چاہیے کہ جو بات سامنے آئے اور دل اُس پر یہ گواہی بھی دے دے کہ قرآن کا معنی ومفہوم اور اس کی مراد ومنشا یہی ہے تو پھر اس پر عمل کی کوشش ضرور کریں گے۔ اگر یہ نیت اور ارادہ پہلے سے موجود نہ ہو تو پھر قرآن کا پڑھنا اور سننا صرف ایک ذہنی ورزش یا' اللہ معاف کرے' اس سے بھی آگے بڑھ کر ذہنی عیاشی بن سکتا ہے۔ قرآن حکیم کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((اَلۡقُرۡآنُ حُجَّۃٌ لَکَ اَوۡ عَلَیۡکَ))(۱) ''قرآن تمہارے حق میں دلیل ہے یا تمہارے خلاف''۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر آپ نے قرآن کو سنا' پڑھا' سمجھا اور پھر اس پر عمل بھی کیا تو یہ قرآن آپ کے حق میں دلیل بن گیا —— دلیل راستہ دکھانے والی شے کو بھی کہتے ہیں' گویا یہ قرآن دنیا میں بھی آپ کو راستہ دکھائے گا اور آخرت میں بھی یہ آپ کے حق میں شفاعت کرے گا۔ قرآن کی شفاعت کا ذکر بھی حدیث نبویؐ میں آیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلصِّیَامُ وَالۡقُرۡآنُ یَشۡفَعَانِ لِلۡعَبۡدِ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ ' یَقُوۡلُ الصِّیَامُ : اَیۡ رَبِّ اِنِّیۡ مَنَعۡتُہُ الطَّعَامَ وَالشَّہَوَاتِ بِالنَّہَارِ فَشَفِّعۡنِیۡ فِیۡہِ ' وَیَقُوۡلُ الۡقُرۡآنُ :مَنَعۡتُہُ النَّوۡمَ بِاللَّیۡلِ فَشَفِّعۡنِیۡ فِیۡہِ ' فَیُشَفَّعَانِ))(۲)

''روزہ اور قرآن دونوں قیامت کے دن بندے کی سفارش کریں گے۔ روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو دن کے اوقات میں کھانے پینے اور نفس کی خواہش کو پورا کرنے سے روکے رکھا تھا' آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا: میں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا' آج میری سفارش اس کے حق میں

(۱) صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب فضل الوضوء۔ وسنن الترمذی' ابواب الدعوات' باب منہ۔

(۲) رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ و مسند احمد: ح ۶۶۳۷۔

قبول فرما۔ چنانچہ (روزہ اور قرآن) دونوں کی سفارش (اس بندہ کے حق میں) قبول فرمائی جائے گی۔''

الغرض اگر ہم قرآن سمجھیں' پڑھیں اور اس پر عمل کریں تو قرآن ہمارے لیے دنیا میں دلیل راہ اور آخرت میں شافع بنے گا اور اگر ہم قرآن کو صرف پڑھیں اور سنیں' لیکن اس پر عمل نہ کریں تو یہ قرآن ہمارے خلاف استغاثہ لے کر کھڑا ہو جائے گا کہ پروردگار! اس نے مجھے پڑھا بھی' سمجھا بھی' لیکن پھر عمل نہیں کیا۔ گویا یہ پڑھنا' سننا اور سمجھنا بجائے مفید ہونے کے الٹا نقصان دہ ہو جائے گا' بایں طور کہ ہمارے خلاف اللہ کے ہاں ایک گواہی اور بڑھ جائے گی۔

ایک تو یہ ہے کہ انسان یہ کہہ سکے کہ پروردگار مجھے معلوم نہیں اور جن کے ذمے مجھ تک پہنچانا تھا انہوں نے نہیں پہنچایا' تو کسی درجے میں یہ اس کا عذر ہوگا۔ لیکن اگر بات پہنچ بھی گئی اور پھر بھی عمل نہ کیا تو یہ عذر بھی ختم ہو گیا اور اب یہ قرآن ہمارے خلاف استغاثہ لے کر کھڑا ہو جائے گا۔ یہ بات آغاز ہی میں اس لیے بیان کر دی گئی ہے تاکہ درسِ قرآن کی اس محفل میں جنہیں بھی اللہ نے شرکت کی توفیق عطا فرمائی ہے' جو اپنے معمولات میں سے وقت نکال کر آئے ہیں اور جنہوں نے اپنی مصروفیاتِ زندگی میں سے وقت کا کچھ حصہ اس مجلس کے لیے فارغ کیا ہے' ان کے لیے اس مجلس میں شرکت حقیقتاً مفید ہو' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ چنانچہ اپنے دل میں ایک عزم کر لیں' پختہ ارادہ کر لیں کہ آج جو بات بھی ہمارے سامنے آئے گی ہم اس پر ضرور عمل کریں گے۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْل

اب ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ پہلی آیت میں فرمایا: ﴿قُلْ﴾ ''(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجیے''۔ یہاں خطاب آنحضور ﷺ سے ہے۔ ﴿اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ﴾ ''اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی''۔ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ ''پھر اگر تم روگردانی کرتے ہو'' ﴿فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ﴾ ''تو (سن لو کہ) انؐ کے ذمہ صرف وہی ہے جو بوجھ ان پر ڈالا گیا ہے''۔ یعنی محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری ربّ العالمین کا

پیغام تم تک پہنچانے کی تھی اور آپؐ اپنی یہ ذمہ داری ادا کر کے بریٔ الذمہ ہو گئے۔ ﴿وَعَلَیْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ﴾ ''اور تم پر وہ بوجھ ہے جو تم پر ڈالا گیا ہے''۔ یعنی تم اپنی ذمہ داریوں کے لیے مسئول ہو گے اور تمہیں ان کے بارے میں جوابدہی کرنی پڑے گی۔ اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ضرور یاد رکھنا چاہیے: ((اَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))(۱) ''سن لو! ہر شخص نگران ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''

﴿وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ﴾ ''اور اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تب ہی تم ہدایت یافتہ ہو گے''۔ یہاں ہدایت کے دونوں مفہوم ذہن میں رکھیے۔ ہدایت کا ایک معنی تو راستہ دکھانا ہے اور راستہ دکھانے والے تو آپ ﷺ ہی ہیں' لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو گے تو سیدھے راستے پر چلو گے۔ جبکہ ہدایت کا دوسرا مفہوم ہے منزلِ مقصود تک پہنچا دینا۔ اس اعتبار سے آیت کے اس ٹکڑے کا مفہوم یہ ہوگا کہ اگر نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی پیروی کرو گے اور ان کا حکم مانو گے تبھی اپنی منزلِ مراد کو پہنچ سکو گے اور تمہیں اُخروی کامیابی نصیب ہوگی جو بندۂ مؤمن کا اصل مقصود اور نصب العین ہے۔ اس کے برعکس اگر رسول کی اطاعت نہیں ہوگی تو گویا ان دونوں چیزوں سے محروم رہو گے۔

آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾﴾ ''اور نہیں ہے رسول پر (کوئی ذمہ داری) مگر صاف صاف پہنچا دینا''۔ رسول ایلچی اور پیغامبر ہیں' یعنی اللہ کا پیغام پہنچانا ان کی ذمہ داری ہے۔ اگر انہوں نے یہ ذمہ داری ادا کر دی تو وہ بَری ہو گئے اور جن تک اللہ کے احکام پہنچ گئے وہ مسئول ہوں گے۔ اب ان کے ذمے اس ابدی ہدایت کو لوگوں تک پہنچانا ہے اور پہنچانا بھی ایسا ہونا چاہیے کہ کوئی اشتباہ اور ابہام نہ رہے' اور بات اس طور پر واضح اور مبرہن ہو جائے جیسے ہم کہتے ہیں: دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جانا ـــــ اَلْمُبِيْنُ یہاں اَلْبَلٰغ کی صفت ہے۔ اَبَانَ یُبِیْنُ کا معنی

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجمعہ' باب الجمعة فی المقری والمدن۔ وصحیح مسلم' کتاب الامارة' باب فضیلة الامام العادل وعقوبة الجائر.....

ہے ظاہر کرنا‘ واضح کرنا۔ اور اسی کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ جدا کرنا‘ ممیّز کرنا‘ علیحدہ علیحدہ کر دینا (to discrete)۔ طلاق بائن کو بھی ’’بائن‘‘ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ شوہر اور بیوی کے درمیان مکمل جدائی کرا دیتی ہے۔

اطاعتِ رسول ﷺ اور اس کی اہمیت

اس آیہ مبارکہ کے مضامین کا شمار قرآن مجید کے بہت اہم مضامین میں ہوتا ہے اور اطاعتِ رسول کا مضمون تو قرآن مجید میں سینکڑوں مرتبہ آیا ہے۔ لیکن یہاں اطاعت رسولؐ کا ایک خاص مفہوم ہے اور یہ اگلی آیت کے لیے بطور تمہید کے ہے۔ اس حوالے سے میں چاہتا ہوں کہ اس آیت کے مضامین کو تفصیل سے تجزیہ کر کے سمجھ لیجیے۔

پہلی بات اس آیت میں یہ فرمائی گئی: ﴿اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ یعنی اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ یہ تو گویا دو اور دو چار کی طرح بالکل سیدھی بات ہے کہ اللہ کو مانا ہے تو اس کا حکم بھی مانو‘ رسول کو مانا ہے تو ان کے فرمودات کے سامنے سرِ تسلیم خم بھی کرو۔ اگر یہ نہیں کرتے تو وہ ماننا تو جھوٹ موٹ کا ماننا ہوا‘ جس کے بارے میں سورۃ الصّف میں فرمایا گیا: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳﴾ یعنی اے ایمان والو! تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اگر تم ’’کہو کچھ‘ کرو کچھ‘‘ کی روش اختیار کرو گے تو یہ اللہ کے غضب کو بھڑکانے والی بات ہے! اگر ایسا معاملہ ہے کہ زبان سے ’’آمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلَآئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْت‘‘ کا اقرار بھی کر لیا اور ’’اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ‘‘ کی گواہی بھی دے دی‘ لیکن عملاً کسی قسم کی کوئی اطاعت نہیں ہے تو صرف زبانی دعویٰ سے کوئی کریڈٹ نہیں ملے گا۔ اگر زبان سے اللہ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کو مانا تھا تو پھر اُن کے احکامات کی تعمیل بھی کرنی تھی۔ زبان سے کہہ کر عمل نہ کرنا تو گویا دوہرا جرم ہو گیا‘ کیونکہ یہ تو قول اور عمل کا تضاد ہے۔ یہ ایسی بنیادی بات ہے جو ہر مسلمان کو معلوم ہے‘ لہٰذا اس میں مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت‘ دونوں کے دو دو جزو ہیں —— کلمۂ طیبہ: (۱) لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (۲) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ کلمہ شہادت: (۱) اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ (۲) وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ —— پہلے جزو کا تقاضا ہے اللہ کو یکتا ماننا اور اُس کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا‘ جبکہ دوسرے جزو کا تقاضا ہے محمد ﷺ کو اللہ کا رسول اور بندہ ماننا اور پھر ان کے فرمودات پر عمل بھی کرنا۔

میں چاہتا ہوں کہ ﴿اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ کا اس اعتبار سے تجزیہ کر لیا جائے کہ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اس کا مفہوم کیا تھا اور آج ہمارے لیے اس کا مفہوم کیا ہے۔ آیا اس میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ یہ ذرا باریک بات ہے‘ لیکن میں نے اس کو سوال کی صورت میں آپ کے سامنے رکھا ہے کہ کیا حضور ﷺ کی حیاتِ طیّبہ کے دوران اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت اور آج اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کا بالکل ایک مفہوم ہے یا ان میں کچھ فرق ہے؟ بظاہر تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں ہے‘ لیکن پھر بھی اس کا تجزیہ کرتے ہیں۔

اطاعتِ رسولؐ ہی اطاعتِ ربانی ہے!

اس تجزیہ سے پہلے ایک بنیادی بات یہ نوٹ کر لیجیے کہ اللہ کی اطاعت کا راستہ بھی رسولؐ کی اطاعت ہے۔ گویا رسول کی اطاعت میں ہی اللہ کی اطاعت ہے۔ بفحوائے قرآنی: ﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ۚ﴾ (النساء: ۸۰) ’’جس نے رسول کی اطاعت کی تو اُسی نے اللہ کی اطاعت کی‘‘۔ اس لیے کہ اللہ کا حکم ہم تک رسول پہنچاتے ہیں اور اللہ کے حکم کو جاننے کا کوئی اور ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ قرآن مجید موجود ہے‘ لیکن قرآن بھی تو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا ہے‘ مجھ پر یا آپ پر تو نازل نہیں ہوا۔ ہمیں محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے بتانے ہی سے تو معلوم ہوا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ اس اعتبار سے ایک نظری پہلو تو یہ سمجھئے کہ یہ دونوں حقیقتیں یعنی اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت ایک ہی وحدت ہیں۔ اس کو علامہ اقبال نے بڑی خوبصورتی سے کہا ہے کہ:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است!

یعنی اپنے آپ کو محمد مصطفیٰ ﷺ کے قدموں تک پہنچا دو‘ اس لیے کہ دین تو سراپا آپ ﷺ ہی ہیں۔ دین نام ہے کتاب وسنت کا —— اور کتاب ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ملی ہے‘ جبکہ آپ ﷺ کے اقوال وافعال کا نام ’’سنت‘‘ ہے اور یہ سنت درحقیقت آپ ﷺ کی عملی تمثیلات ہیں کہ آپؐ نے اللہ کے احکام پر کیسے عمل کیا۔ مثلاً نماز کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: ((صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ))(۱) ’’نماز ایسے پڑھو جیسے تم مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو‘‘۔ الغرض اطاعت رسول میں درحقیقت دونوں چیزیں جمع ہو جاتی ہیں۔ گویا اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت عملی اعتبار سے ایک ہیں اور اصل اہمیت رسول کی اطاعت کی ہے۔

اطاعتِ رسولؐ کے چار گوشے

اس بنیادی بات کے بعد اب ہم تجزیہ کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے دوران آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی رحلت کے بعد آپؐ کی اطاعت میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ اس حوالے سے نوٹ کر لیجیے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے چار گوشے ہیں:

(۱) عبادات اور طریقہ عبادات میں اطاعت: قرآن مجید میں بار بار نماز کا حکم دیا گیا ہے‘ جبکہ نماز کیسے ادا کرنی ہے‘ اس کا طریقہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے۔ اسی طرح قرآن میں حج کا حکم آیا: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ﴾ (النساء:۹۷) ’’اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر کہ وہ حج کریں اُس کے گھر کا‘ جو بھی استطاعت رکھتا ہو اس کی طرف سفر کی‘‘ —— اور حج کے مناسک حضور اکرم ﷺ نے بتلائے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ بار بار فرماتے تھے: ((يَا اَيُّهَا النَّاسُ خُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ فَاِنِّيْ لَا اَدْرِيْ لَعَلِّيْ لَا اَحُجُّ بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا))(۲) ’’اے لوگو! اپنے مناسک مجھ سے سیکھ لو‘ اس لیے کہ اس سال کے بعد شاید میں حج نہ کر سکوں‘‘ —— حضور ﷺ نے ہجرت کے بعد ایک ہی حج کیا ہے۔ جب آپ ﷺ مکہ میں مقیم تھے تو

(۱) صحیح الجامع للالبانی‘ ح:۸۹۳۔

(۲) سنن الترمذی‘ ابواب مناسك حج‘ باب الركوع الى الجمار استظلال المحرم۔

آپؐ نے یقیناً حج کیے ہوں گے‘ لیکن ہجرت اور حج کا حکم آ جانے کے بعد آپؐ نے ایک ہی حج کیا۔ اس لیے کہ پہلے مکہ پر مشرکین کا اقتدار تھا‘ وہ تو صلح حدیبیہ کے ایک سال بعد عمرے کی نوبت آئی تو رسول اللہ ﷺ نے ۷ ہجری میں پہلی مرتبہ عمرہ کیا۔ ۸ ہجری میں اگرچہ مکہ فتح ہو گیا تھا‘ لیکن حضور ﷺ نے اس سال حج نہیں کیا۔ پھر ۹ ہجری میں بھی آپؐ خود حج کے لیے نہیں گئے‘ بلکہ آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی زیر امارت ایک جماعت حج کے لیے بھیج دی۔ اس کے بعد ۱۰ ہجری میں آپ ﷺ نے پورے جزیرہ نمائے عرب میں اعلان کرا دیا کہ میں اس سال حج کے لیے جا رہا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ اس سال حج کے موقع پر تقریباً سوا لاکھ صحابہ کرام ؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ اس موقع پر آپ ﷺ بار بار فرما رہے تھے کہ مجھ سے اچھی طرح مناسکِ حج سیکھ لو‘ اس لیے کہ میرا فرضِ منصبی بہت حد تک ادا ہو چکا ہے اور اب مجھے اللہ کی طرف لوٹنا ہے۔

اسی طرح قرآن حکیم میں صرف زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم مذکور ہے‘ جبکہ زکوٰۃ کی مقدار کیا ہے؟ اس کا نصاب کیا ہے؟ کم سے کم کتنی مقدار پر اور کن کن چیزوں پر زکوٰۃ فرض ہے؟ یہ سب تفصیلات رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دی ہیں —— الغرض حضور ﷺ کی اطاعت کا پہلا دائرہ عبادات کے ضمن میں ہے‘ جن کا تاکیدی حکم قرآن میں آیا ہے اور ان کی تفصیل محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمائی ہے۔ اس کی بلا چون و چرا پیروی کرنا گویا پہلا کام ہے جو صحابہ کرامؓ کے ذمہ تھا اور یہ اطاعت آج بھی اسی طرح ہم پر فرض ہے اور اطاعت کا یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

(۲) احکامِ شریعت میں اطاعت: حضور اکرم ﷺ کی اطاعت کا دوسرا گوشہ احکامِ شریعت سے متعلق ہے۔ قرآن مجید میں بہت سے احکام آئے ہیں اور حضور ﷺ نے ان میں کچھ اضافہ بھی کیا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا حرام قرار دیا گیا ہے: ﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ﴾ ’’اور یہ (بھی تم پر حرام کر دیا گیا ہے) کہ تم بیک وقت دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرو‘‘۔ جبکہ حضور ﷺ نے اس ضمن میں مزید فرمایا کہ پھوپھی اور بھتیجی‘ نیز خالہ اور بھانجی کو بھی بیک وقت نکاح میں جمع کرنا حرام

ہے۔اسی طرح سود کو قرآن مجید میں حرام قرار دیا گیا ہے:﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ﴾ ''اور اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے''لیکن سود کن کن چیزوں میں ہے اور کس جگہ پر اس کا اطلاق ہوگا' اور اس کے علاوہ دیگر بہت سی وضاحتیں رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہیں۔

اسی طرح سزاؤں کا معاملہ ہے۔قرآن مجید میں چوری کے حوالے سے یہ حکم آ گیا: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا.....﴾ (المائدۃ:۳۸) ''چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹ دو.....''اس ضمن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی نے ایک پیسہ بھی چرا لیا یا کسی نے مالِ مشترک میں چوری کر لی تو کیا اس پر بھی یہ حکم نافذ ہوگا یا نہیں؟ یہ ساری تشریحات اور تفصیلات نبی اکرم ﷺ نے دی ہیں۔ یہ تو معاشرت و معیشت کے حوالے سے چند ایک مثالیں میں نے بیان کی ہیں' ورنہ ہماری زندگی کے اور بھی بہت سے دائروں کے ضمن میں حضور اکرم ﷺ نے تفصیلات بیان کی ہیں' جنہیں قانونِ شریعت یا احکامِ شریعت کہتے ہیں۔ان کی پیروی جیسے آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں صحابہ کرامؓ پر لازم تھی اسی طرح آج بھی ان کی پیروی جوں کی توں ہم سب مسلمانوں پر لازم ہے۔

معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کی اطاعت ان دو دائروں (یعنی عبادات اور احکامِ شریعت) میں آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں بھی تھی اور آج بھی جوں کی توں ہے۔لہٰذا آج ہمارے لیے عبادات کے ضمن میں وہی طریقہ معتبر ہوگا جو کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول ﷺ پر مبنی ہو اور اسی طرح شریعت کے احکام بھی کتاب وسنت ہی سے ماخوذ ہوں گے۔اگر مرورِ ایام سے کوئی نئی صورت پیدا ہوگی تو اس کے لیے بھی کتاب وسنت کی بنیاد پر اجتہاد کیا جائے گا' ان سے ماوراء ہو کر کیا جانے والا اجتہاد قابل قبول نہیں ہوگا۔

(۳) مقدّمات ونزاعات میں آپؐ کو حَکم ماننا: قبل ازیں بیان کردہ اطاعت رسول کے دو گوشے تو وہ ہیں جو جیسے آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں تھے' ویسے ہی آج ہیں' البتہ دو گوشے ان کے علاوہ ایسے ہیں جن کا حضور اکرم ﷺ کی حیات میں جو معاملہ تھا' آج براہِ راست

ہمارا وہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے مابین جو بھی نزاع اور جھگڑا ہو اس میں حَکم (فیصلہ کرنے والے) رسول اللہ ﷺ کو مانا جائے۔ اس بارے میں سورۃ النساء میں فرمایا گیا:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾﴾

''پس نہیں' آپ کے رب کی قسم! یہ ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپ کو حَکم نہ بنائیں ان تمام معاملات میں جو ان کے مابین پیدا ہو جائیں' پھر جو کچھ آپ فیصلہ کر دیں اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں' اور سر تسلیم خم کریں جیسے کہ سر تسلیم خم کرنے کا حق ہے۔''

یعنی ایک تو رسول اللہ ﷺ کو حَکم مانیں اور پھر آپ کے کیے گئے فیصلے پر نہ صرف راضی ہوں' بلکہ دل میں بھی اس کے خلاف کوئی ردّعمل نہ ہو کہ آپ ﷺ نے یہ کیا فیصلہ کر دیا! یہ طرزِ عمل ہی مکمل اطاعت ہے۔جبکہ ایک صورت یہ ہے کہ آپؐ کا فیصلہ مان تو لیا' لیکن دل میں کہیں میل ہے کہ یہ فیصلہ ٹھیک نہیں ہوا اور حضور ﷺ نے میری بات صحیح طور پر سنی نہیں۔معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ! ایسا شخص تو کوئی منافق ہی ہوسکتا تھا جو یہ سوچے کہ آپؐ نے کوئی جانبداری کا معاملہ کیا ہے اور میری حق تلفی کی ہے۔چنانچہ یہاں تک فرما دیا گیا کہ حضور ﷺ کے فیصلے پر اگر دل میں ذرا سا تنگی کا احساس بھی پیدا ہو گیا تو بھی ایمان کے لالے پڑ جائیں گے' کجا یہ کہ حضور ﷺ کے بارے میں جانبداری یا ناانصافی کا شک پیدا ہو جائے!

ظاہر بات ہے کہ حضور ﷺ جب تک مسلمانوں کے اندر موجود تھے تو آپ ہی قاضی القضاۃ تھے' مقدمات آپؐ ہی کے پاس جاتے تھے اور آپؐ ہی ان کے فیصلے کرتے تھے۔لیکن آپؐ کی وفات کے بعد اب یہ معاملہ اس انداز میں موجود نہیں کہ میرا اور آپ کا کوئی جھگڑا ہو اور میں اُسے حضور ﷺ کی عدالت میں لے جاؤں۔یہ سلسلہ اب منقطع ہو چکا ہے۔

(۴) غلبۂ دین کی جدّوجُہد میں آپؐ کا حکم بجالانا: اسی طرح کا معاملہ دین کو غالب کرنے کی جدوجہد میں آپؐ کے حکم کو بجالانے کا ہے — دین اسلام کو پورے عالَم پر غالب کرنے کے لیے حضور ﷺ بھیجے گئے تھے: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ﴾ (الفتح:۲۸) ''وہی تو ہے (اللہ) جس نے اپنے رسول کو ہدایتِ کاملہ اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو پورے نظامِ زندگی پر غالب کرے'' — یہ مقصدِ بعثتِ محمدیؐ ہے اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے آپؐ نے جنگیں بھی لڑیں اور مہمات بھی روانہ کیں۔ چونکہ اُس وقت آپ ہی سپہ سالار تھے' لہٰذا آپؐ اپنے صحابہؓ کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور جہاد کے لیے نکلنے کا بھی خود حکم دیتے تھے اور جنگی حکمت عملی کے بارے میں ہدایات بھی خود ارشاد فرماتے تھے۔

غور کیجیے کہ دینِ الٰہی کو غالب کرنے کی یہ جدوجہد قانوناً شریعت کا مسئلہ نہیں ہے' لیکن یہ جدوجہد — جس میں اُحد اور حنین کے معرکے بھی آئے' جس میں حضور اکرم ﷺ کے دندانِ مبارک بھی شہید ہوئے' جس میں حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کے دوران سینکڑوں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جامِ شہادت بھی نوش فرمایا — اس میں حضور ﷺ کا ہر حکم صحابہ کرامؓ کے لیے واجب الاطاعت تھا۔ اگر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ نکلو اللہ کی راہ میں اور کسی نے اس حکم کو نہیں مانا تو اُس نے اللہ کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ لیکن اطاعت کا یہ معاملہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی کے ساتھ تھا' جبکہ آج حضور ﷺ بنفس نفیس ہم میں موجود نہیں ہیں۔ لہٰذا آج کے دور میں اگر دین کو غالب کرنے کی جدوجہد ہوگی تو اس میں اطاعت کس کی ہوگی؟

بہرحال وفات النبی ﷺ کے بعد دو معاملات میں ہمارے اور اللہ کے رسول ﷺ کے مابین ایک خلا پیدا ہو گیا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ آپؐ کے وصال کے بعد عدالتی نظام کون سا ہوگا اور ہمارے تنازعات میں حَکم کون بنے گا؟ اس لیے کہ حضور ﷺ بنفس نفیس تو ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں کہ ہم اپنے مقدمات ان کی عدالت میں لے جائیں اور ان کو حکم بنائیں۔ دوسری بات یہ کہ دین الٰہی کو غالب کرنے کی جدوجہد کس کی امارت

اور قیادت میں ہوگی اور اگر کسی موقع پر جنگ کا مرحلہ پیش آ گیا تو کون سپہ سالار بن کر حکم دے گا کہ آگے بڑھ کر حملہ کرو! کون حکم دے گا کہ پچاس تیرانداز اس دَرّے پر بیٹھے رہیں! اُس وقت تو یہ سارے احکام براہِ راست محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے صادر ہو رہے تھے' لیکن آج کے دور میں ظاہری بات ہے کہ اس اعتبار سے بھی ایک خلا ہے۔

اطاعتِ رسولؐ کے ضمن میں نظامِ خلافت کی اہمیت

سورۃ النور کی اگلی آیت (۵۶) میں جو مضمون آ رہا ہے وہ دراصل اسی خلا کو پُر کرنے والا ہے — یہ خلا نظامِ خلافت کے ذریعے سے پُر ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو آپؓ ہی قاضی القضاۃ تھے اور آپؓ ہی امیر اور سپہ سالار تھے۔ آپ ہی نے فیصلہ کرنا تھا کہ مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنی ہے یا نہیں؟ حضور ﷺ کے وصال کے بعد اب فیصلہ کرنے کا اختیار خلیفہ کے پاس آ گیا۔ اسی لیے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تھا: اَنَا خَلِیْفَةُ رَسُوْلِ اللّٰه ''میں اللہ کے رسول کا خلیفہ ہوں!''

آپ کے علم میں ہوگا — اس لیے کہ سیرتِ صحابہؓ کی یہ باتیں بہت معروف ہیں — کہ حضرت عمر فاروق ؓ بھی یہ مشورہ دے رہے تھے کہ مانعینِ زکوٰۃ کے معاملے میں آپ ذرا نرمی کیجیے اور مصلحت کو پیش نظر رکھیے' اس لیے کہ مسلمانوں کا مورال اِس وقت بہت گرا ہوا ہے۔ حضور ﷺ کے انتقال کے بعد سب کا دل پژمردہ ہے اور ہم اس وقت جنگ کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جیسے کہ اُمّ ایمن ؓ کے بارے میں آتا ہے کہ آپؓ بیٹھی رو رہی تھیں کہ حضرات ابوبکر اور عمر ؓ ان کے پاس پہنچے اور پوچھا: آپ کیوں رو رہی ہیں؟ انہوں نے کہا: میں اس لیے رو رہی ہوں کہ وہ ہدایت جو ہر آن محمد ﷺ پر چلی آ رہی تھی وہ ختم ہو گئی ہے اور وحی کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ اس لیے کہ وحی تو نبی کے ساتھ خاص ہے اور نبوت کا دروازہ بند ہونے سے وحی کا دروازہ بھی ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ اس اعتبار سے مسلمانوں کے دل بہت زخمی تھے۔

اس کے ساتھ دوسرا مسئلہ جیشِ اسامہؓ کی روانگی کا تھا' جسے حضور ﷺ نے خود تیار کیا

تھا۔ وہ تو آپ ﷺ کے مرضِ وفات کی وجہ سے رک گیا تھا' ورنہ سلطنت روما کے ساتھ جنگ کا معاملہ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں شروع ہو چکا تھا۔ غزوۂ موتہ اور غزوۂ تبوک ہو چکے تھے اور اگلا جیش آپؐ نے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیار کیا ہوا تھا تو کیسے ممکن تھا کہ جو جیش حضور ﷺ نے خود تیار کیا ہوا سے حضرت ابوبکرؓ روک لیں! وہ تو جائے گا ہی۔ مزید برآں نئی نبوت کے مدعی کھڑے ہو گئے اور ان ''مرتدین'' کے خلاف بھی جہاد کرنا لازم ہو گیا۔

ان میں سب سے اہم اور نازک معاملہ مانعینِ زکوٰۃ کا تھا جو کہتے تھے کہ ہم اللہ کی وحدانیت کی شہادت بھی دیتے ہیں اور محمد ﷺ کی رسالت کو بھی مانتے ہیں۔ ہم نماز بھی پڑھیں گے' لیکن زکوٰۃ حکومت کو نہیں دیں گے بلکہ ہم اپنے طور پر دیں گے۔ ایسے لوگوں کے خلاف جہاد کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ یہ ایک بڑا پیچیدہ مسئلہ تھا۔ ان کے خلاف اقدام کا فیصلہ خلیفہ وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا اور یہاں تک فرمایا کہ اگر کوئی میرے ساتھ نہیں جائے گا تو میں تنہا جاؤں گا اور ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ اس طرح کے تمام فیصلے خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیے اور اس طریقے سے اب گاڑی آگے چلی۔

معلوم ہوا کہ اگر کسی ملک میں نظامِ خلافت نہیں ہے تو اطاعت رسول کے یہ دو دائرے تو بالکل معطل ہو جائیں گے۔ ٹھیک ہے آپ نماز اسی طور سے پڑھ سکتے ہیں جیسا کہ ہمیں نبی اکرم ﷺ نے سکھائی' آپ حج بھی اسی طرح کر سکتے ہیں جیسے ہمیں حضور ﷺ نے سکھایا — جزئیات میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے' جیسے کہ مختلف ائمہ فقہ کے مابین ہوا ہے' لیکن اصولی طور پر مناسک حج متفق علیہ ہیں — چنانچہ عبادات کے ضمن میں اطاعت کا پہلا دائرہ ہر زمانے کے لیے جوں کا توں ہے۔ اسی طرح اطاعت کا دوسرا دائرہ شریعت کے وہ احکام ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے کتاب وسنت کی صورت میں ہم تک پہنچائے ہیں' وہ بھی جوں کے توں رہیں گے۔ اگر کوئی نئی صورت پیدا ہو گی تو کتاب وسنت ہی سے استنباط کرتے ہوئے اجتہاد کیا جائے گا' جبکہ ان سے آزاد ہو کر کیا گیا

استنباط بھی قابل قبول نہیں ہے — ہمارے ہاں ایک گروہ ''اہلِ قرآن'' کا ہے جو سنت کو ایک طرف رکھ کے کہتے ہیں کہ قرآن سے استنباط کریں۔ ہمارے نزدیک وہ گمراہ ہیں' اس لیے کہ کتاب وسنت دونوں قانونِ اسلامی کی مستقل بالذات بنیادیں اور اصل اساسات ہیں' لہٰذا ان میں سے کسی کو بھی ساقط نہیں کیا جا سکتا۔ قیاس اور اجتہاد ہو گا تو کتاب وسنت کی روشنی میں ہو گا — بہرحال ان دو دائروں کی حیثیت جیسے حضور ﷺ کے حیاتِ طیبہ میں تھی ویسی ہی اب ہے۔

ان کے علاوہ اطاعت رسول کے دو دائرے اور ہیں۔ ایک تو ہے اپنے خصومات اور مقدمات میں آپ ﷺ سے فیصلہ کرانا۔ نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں تو اس پر عمل درآمد ممکن تھا' مگر آپؐ کی وفات کے بعد اس حوالے سے ایک خلا پیدا ہو گیا ہے اور اس خلا کو خلافت کا نظام پر کرے گا اور خلیفہ ہی قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز ہو گا۔ اسی طرح دین کے غلبے کی جدوجہد اور اس کے لیے محنت وکوشش کرنا' حضور ﷺ کی حیات میں تو آپؐ کی قیادت میں ہو رہا تھا' مگر آپؐ کی وفات کے بعد نظامِ خلافت میں خلیفہ یہ ذمہ داری نبھائے گا۔

اس ضمن میں یہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ اگر خلافت کا نظام موجود نہیں ہے تو آپ کو یہ نظام لانے کے لیے جدوجہد کرنی پڑے گی۔ اگر آپ اس کے لیے جدوجہد نہیں کرتے اور خلافت کا نظام قائم نہیں ہوتا تو گویا اطاعت رسول کے دو خانے بند پڑے رہیں گے۔

چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا

یہ ہماری بہت بڑی بدقسمتی ہے کہ اس دور میں خلافت کا ادارہ علامتی طور پر بھی موجود نہیں رہا۔ آئیڈیل سطح پر تو خلافت راشدہ کا دور تھا' جو خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ تھی۔ اس کے بعد کا دورِ خلافت ملوکیت پر مبنی تھا۔ نظامِ خلافت یک دم سارے کا سارا ختم نہیں ہو گیا تھا' بلکہ تدریجاً اس میں زوال آیا ہے۔ میں اس کی مثال وہی دیا کرتا ہوں جو شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے ''منصبِ امامت'' نامی کتاب میں لکھی ہے کہ چھ منزلہ عمارت میں سے اگر ایک منزل گر گئی تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ پوری عمارت ختم ہو گئی۔ ہمارے ہاں

یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ جیسے خلافت راشدہ کے بعد اسلام بالکل ختم ہوگیا‘ حالانکہ اسلام ختم تو نہیں ہوا۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ چھ منزلوں میں سے ایک گر گئی‘ لیکن پانچ تو بہرحال باقی ہیں۔ پھر آگے اور زوال آیا تو پانچویں منزل بھی گر گئی‘ چار رہ گئیں۔ ہوتے ہوتے معاملہ یہاں تک پہنچا کہ جب مغربی امپیریلزم کا سیلاب آیا تو وہ ساری مسلمان حکومتوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔ اس سے تو سب کچھ ختم ہوگیا‘ نہ اسلامی قانون رہا‘ نہ مفتی رہے‘ نہ قاضی رہے۔ جہاں جہاں بھی انگریزوں‘ فرانسیسیوں‘ اطالویوں اور ولندیزیوں کی حکومتیں آئیں وہاں خلافت کا پورے کا پورا نظام ختم ہوگیا۔ بالآخر خلافت کا ادارہ جو ترکی میں‘ کم از کم علامتی طور پر (symbolic) ہی سہی‘ موجود تھا وہ بھی بدقسمتی سے ۱۹۲۴ء میں مصطفیٰ کمال پاشا نے ختم کر دیا۔ علامہ اقبال کو ابتدا میں مصطفیٰ کمال سے بڑی امیدیں تھیں‘ لیکن آخر وقت میں انہیں بڑی مایوسی ہوئی اور انہوں نے یہ اشعار کہے:

نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ روحِ شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی!

اور خاص طور پر خلافت کے ادارے کو ختم کرنے پر ان کا یہ شعر بڑا ہی دردانگیز ہے ؎

چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ‘ اوروں کی عیاری بھی دیکھ!

اس لیے کہ بعد میں یہ بات کھل گئی کہ یہ یہود کی فری میسن تحریک کی سازش تھی اور مصطفیٰ کمال پاشا نے ان کا آلہ کار بن کر خلافت کو ختم کیا۔ ہم یہ وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ شعوری طور پر مصطفیٰ کمال پاشا یہودیوں کی اس سازش کو جانتے تھے۔ یہ تو اللہ کے ہاں جواب طلبی ہوگی اور وہیں سارا حساب کتاب ہو جائے گا۔

بہرحال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آیت زیر مطالعہ کے حوالے سے سب سے پہلی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دوران چار اعتبارات سے آپؐ کی اطاعت ہو رہی تھی۔ خلافت کا نظام رہے یا نہ رہے‘ دو اطاعتیں تو اب بھی ہو سکتی ہیں‘ لیکن بقیہ دو اطاعتیں تو ممکن ہی نہیں جب تک کہ خلافت کا نظام قائم نہ ہو۔

اطاعتِ رسولؐ سے روگردانی کا نتیجہ

آیت زیر مطالعہ کا اگلا ٹکڑا اطاعت رسولؐ سے روگردانی اور اس کے نتیجے سے متعلق ہے۔ فرمایا: ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ ’’پس اگر یہ لوگ روگردانی کریں‘‘ یعنی اطاعت کرنے کو تیار نہ ہوں۔ ﴿فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ﴾ — یہ بہت جامع الفاظ ہیں۔ حمل کہتے ہیں بوجھ کو۔ حَمَلَ کا معنی ہے: اس نے بوجھ اٹھایا۔ قرآن مجید میں الفاظ آئے ہیں: ﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ﴾ (لقمان:۱۴) ’’اُسے اُس کی ماں نے تکلیف پر تکلیف سہہ کر (پیٹ میں) اُٹھائے رکھا‘‘۔ لیکن یہ لفظ جب بابِ تفعیل (تحمیل) اور پھر اس میں بھی مجہول (حُمِّلَ) کے صیغے میں آئے گا تو اس کے معنی ہوں گے: کسی پر بوجھ لاد دیا گیا۔

اس آیت میں اس لفظ سے ذمہ داری کا بوجھ مراد ہے‘ جبکہ ایک جسمانی بوجھ ہوتا ہے‘ مثلاً آپ نے دومن کی بوری اٹھالی یا کسی نے آپ کے کندھے پر یہ بوری رکھ دی۔ یہ ہے حمل کہ دومن کا بوجھ آپ کے اوپر رکھ دیا گیا۔ ایک ہے ذمہ داریوں اور فرائض کا بوجھ‘ جیسے زیر مطالعہ آیت میں فرمایا: ﴿فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ﴾ اے مسلمانو! اگر تم روگردانی کرو گے تو یاد رکھو کہ ہمارے پیغمبر ﷺ پر صرف وہی ذمہ داری ہے جو ان پر ڈالی گئی ہے اور تم پر وہ ذمہ داری ہے جو تم پر ڈالی گئی ہے۔ اگر انہوں نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی تو وہ بری ہو گئے‘ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم بھی بری ہو گئے‘ بلکہ تم سے تمہاری ذمہ داریوں کے متعلق پوچھا جائے گا کہ تم نے وہ پوری کیں یا نہیں؟

آپ میں سے بہت سے حضرات کے علم میں ہوگا کہ سورۃ البقرۃ کے سولہویں رکوع میں دو مرتبہ یہ آیت (۱۲۱ اور ۱۳۴) آئی ہے: ﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔــلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝﴾ ’’یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی (یعنی حضرات ابراہیم‘ اسماعیل‘ اسحاق اور یعقوب علیہم السلام‘ جو ہمارے برگزیدہ بندے تھے‘ وہ چلے گئے اور) جو کچھ انہوں نے کمایا وہ ان کے لیے ہے اور تمہارے لیے وہ ہوگا جو تم

کماؤ گے۔ اور تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے رہے تھے‘‘۔ یعنی تم صرف ان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے نہیں بخش دیے جاؤ گے بلکہ تمہیں اپنا حساب لازماً پیش کرنا ہوگا کہ تم کیا کر کے لائے ہو‘‘ پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!‘‘

رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داریاں

آیت کے اس ٹکڑے کے ضمن میں اس کا بھی تجزیہ کر لیتے ہیں کہ رسول کی ذمہ داری کیا ہے؟ اس کو دو مرحلوں میں سمجھ لیں۔ ایک ہے رسول اللہ ﷺ کی بنیادی ذمہ داری اور وہ ہے اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانا—— رسول کے معنی ہیں: فرستادہ‘ ایلچی‘ پیغامبر۔ عام طور پر ہم ’’پیغامبر‘‘ کا لفظ ہر پیغام پہنچانے والے کے لیے استعمال کرتے ہیں‘ اور اگر اس میں سے الف نکال دیا جائے ’’پیغمبر‘‘ تو یہ لفظ اللہ کا پیغام پہنچانے والے کے لیے خاص ہو جاتا ہے۔ ویسے ’’رسول‘‘ کا لفظ عام ایلچی کے معنی میں بھی آیا ہے۔ جب حضور ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اے عمر! تم مدینہ کی خواتین سے جا کر میری طرف سے بیعت لو تو حضرت عمرؓ خواتین کے اجتماع میں گئے اور وہاں جا کر فرمایا: اَنَا رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ’’میں اللہ کے رسول کا رسول ہوں‘‘ یعنی میں اللہ کے رسول کا بھیجا ہوا ہوں۔

رسول کی بنیادی ذمہ داری صرف پہنچا دینا ہے۔ چنانچہ یہ آیت ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے: ﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۵۴﴾ ’’نہیں ہے ہمارے رسول پر مگر صاف صاف پہنچا دینے کی ذمہ داری‘‘۔ اس سے تو یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اس کے سوا رسول کی اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے! یہ بات ذرا غور طلب ہے۔ ہمارے ہاں اکثر عالم دین‘ واعظ اور خطباء اپنی تقریر کے اخیر میں کہہ دیتے ہیں: وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ کہ ہمارے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے! چنانچہ یہ الفاظ تو اکثر و بیشتر سب لوگوں کو یاد ہوں گے اور یہ مضمون قرآن مجید میں بھی متعدد بار آیا ہے‘ لیکن کیا اسی عموم میں اس کے معنی کو لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ حالانکہ قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کی اور ذمہ داریاں بھی بیان ہوئی ہیں۔ مثلاً فرمایا گیا ہے: ﴿فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ﴾ (النساء:۸۵) ’’(اے نبی ﷺ!) آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجیے‘ آپ اپنے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں ہیں‘ اور مسلمانوں کو بھی (قتال کی) ترغیب دیجیے!‘‘ یعنی اگر کوئی آپ کے ساتھ نہیں جاتا تب بھی آپ کو تو اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کے لیے جانا ہی ہے۔ وہی بات جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمائی تھی کہ اگر کوئی مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف جنگ کے لیے نہیں جائے گا تو میں تنہا چلا جاؤں گا۔

اسی طرح آپ ﷺ سے فرمایا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾ (التوبۃ:۷۳) ’’اے نبی (ﷺ)! جہاد کیجیے ان کافروں اور منافقوں سے اور ان پر سختی کیجیے‘‘۔ تو کیا یہ حضور ﷺ کی ذمہ داری نہیں ہے؟ مزید برآں فرمایا گیا: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ.....﴾ ’’(آلِ عمران:۱۶۴) اللہ نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہے‘‘۔ کتاب اور آیات پڑھ کر سنانے سے ابلاغ اور تبلیغ کا حق تو ادا ہو گیا‘ لیکن ساتھ یہ بھی فرما دیا: ﴿وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ﴾ ’’اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے‘‘۔ کیا یہ رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری نہیں ہے؟—— میں یہ سوالیہ انداز اس لیے اختیار کر رہا ہوں کہ سوال سے انسان کا ذہن بیدار ہو کر اُس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور کچھ غور و فکر شروع کر دیتا ہے۔ اس صورتِ حال میں جب بات سامنے آتی ہے تو اس کے لیے ذہن گویا آمادہ ہو چکا ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داریوں کو یوں سمجھئے کہ ایک ہے رسول کی بنیادی ذمہ داری اور وہ ہے: اللہ کا پیغام پہنچا دینا۔ ’’بنیادی‘‘ سے مراد یہ ہے کہ جس نے اللہ کے پیغام کو نہیں مانا تو اس کی حد تک آپؐ کی ذمہ داری یہی تھی۔ مثلاً ابوجہل اور ابولہب تک پیغام پہنچا دیا‘ انہوں نے نہیں مانا تو اُن کے حوالے سے آپ کی ذمہ داری پوری ہو گئی اور آپ بریٔ الذمہ ہو گئے۔ یہ آپؐ کی ذمہ داری نہیں ہے کہ زبردستی ان کو دین کے اوپر لے آئیں‘ ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝۲۲﴾ (الغاشیۃ) ’’(اے

نبی ﷺ!) آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں‘‘ — بہرحال جو نہیں مانتے ان کی حد تک آپؐ کی ذمہ داری بات پہنچانے سے ختم ہوگئی‘ البتہ جو مان لیں ان کے حق میں تو ذمہ داریوں کا گویا ایک نیا باب کھل گیا۔ اب ان کا تزکیہ بھی کرنا ہے‘ ان کی تربیت بھی کرنی ہے‘ انہیں تعلیم بھی دینی ہے‘ کتاب وحکمت بھی سمجھانی ہے‘ انہیں منظّم کر کے ایک قوت بھی بنانا ہے اور پھر اس قوت کو باطل سے ٹکرا کر باطل کا سر کچلنا ہے۔ جیسے قرآن میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ﴾ (الانبیاء:۱۸) ’’بلکہ ہم حق کی ضرب لگاتے ہیں باطل کے اوپر جو اس کا بھیجا نکال دیتا ہے اور وہ اُسی وقت نابود ہو جاتا ہے!‘‘

جو لوگ آپؐ کی دعوت پر ایمان لے آئیں تو اب آپؐ کے ذمے ہیں کہ انہیں جمع کریں‘ حزب اللہ بنائیں‘ ان کی تربیت کریں‘ ان کے دلوں میں باہمی محبت پیدا کریں‘ ایک دوسرے کے لیے ایثار وقربانی کا جذبہ پیدا کریں۔ تبھی تو یہ حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت بنیں گے۔ پھر انہیں منظّم کریں‘ سمع وطاعت کا نظام سکھائیں‘ بایں طور کہ یہ ایک امیر کا حکم مان کر پیش قدمی کرنے کے لیے تیار رہیں اور جب امیر کا حکم مل جائے کہ رک جاؤ تو یہ وہیں رک جائیں۔ یہ سارے کام ہی درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری ہیں‘ مگر اُن لوگوں کے ضمن میں جنہوں نے آپؐ کی دعوت پر لبیک کہا۔

قرآن میں تکرارِ محض نہیں ہے!

جیسا کہ میں نے عرض کیا‘ اطاعت رسول کے ضمن میں حضور ﷺ کے انتقال کے بعد دو اعتبارات سے جو ایک خلا پیدا ہوا ہے اس کو پر کرنے کے لیے خلافت کا نظام ضروری ہے۔ اسی لیے میں نے کہا تھا کہ یہ آیت‘ اگلی آیت (جس کو آیت استخلاف کہا جاتا ہے) کے لیے تمہید بن کر آ رہی ہے‘ ورنہ اطاعتِ خداوندی اور اطاعتِ رسول کا حکم تو قرآن مجید میں بہت مرتبہ آیا ہے۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ قرآن مجید میں تکرارِ محض نہیں ہے‘ اس لیے کہ تکرارِ محض تو کلام کا عیب ہوتا ہے کہ ایک ہی بات کو بار بار دہرایا جائے۔ اگر کوئی مصنف‘ ادیب یا

واعظ ایک ہی بات کو بار بار دہرائے گا تو آپ اُسے برا سمجھیں گے اور یہ آپ کی طبیعت پر بوجھ پیدا کرے گی۔ قرآن مجید میں اگرچہ تکرار (repetition) ہے‘ لیکن وہ تکرار محض نہیں ہے کہ عیب محسوس ہو‘ بلکہ ہر جگہ یہ تکرار ایک نئے معانی لے کر آتی ہے۔ الفاظ بظاہر وہی ہیں‘ لیکن تصور (concept) کچھ اور ہے‘ سیاق وسباق اور ہے‘ گفتگو کچھ اور ہو رہی ہے۔ اس طرح ہر جگہ ایک نئی شان ہے۔ جیسے ذات باری تعالیٰ کے لیے فرمایا گیا: ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۝۲۹﴾ (الرحمن) ’’ہر روز وہ ایک شان میں ہے‘‘۔ جیسے اللہ کی شان ہے اسی طرح اللہ کی کتاب کی شان ہے کہ اس میں جو چیزیں بظاہر مکرر نظر آتی ہیں وہ تکرارِ محض نہیں ہیں‘ بلکہ سیاق وسباق کے اعتبار سے ان کے اندر نئے نئے مفہوم اور نئے نئے معانی پنہاں ہیں۔

اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے جیسے اپنی جگہ پر رکھے ہوئے موتی بہت خوبصورت نظر آتے ہیں اور اگر آپ نے ان موتیوں کو ایک نظم میں پرو کر ہار بنا لیا تو ان کے اندر حسن کا ایک اور رنگ پیدا ہو گیا۔ پھر آپ نے ان کو کسی اور ترتیب میں جوڑ دیا تو ان میں اور ہی خوبصورتی اور رعنائی پیدا ہو جائے گی۔ اسی طرح قرآن مجید میں جو آیات بار بار آتی ہیں ان میں بظاہر مضمون وہی ہوتا ہے‘ لیکن درحقیقت نظم اور سیاق وسباق کے اعتبار سے وہ بالکل نئے معانی کے ساتھ آتی ہیں۔

آیت استخلاف: قرآن کی عظیم آیت

سورۃ النور کی آیت ۵۴ کے مطالعہ کے بعد اب ہم اگلی آیت کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس آیت کو ’’آیت استخلاف‘‘ کہا جاتا ہے‘ اس لیے کہ اس میں خلافت کا ذکر ہے۔ فرمایا: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠﴾ ’’(اے مسلمانو!) اللہ کا وعدہ ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور عمل صالح کا حق ادا کریں کہ وہ ان کو لازماً زمین میں خلافت (غلبہ) عطا کرے گا جیسے کہ اس نے ان سے پہلے والوں کو خلافت عطا کی تھی‘‘ — یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں ’’مِنْكُمْ‘‘ (تبعیضیہ) کیوں آیا

ہے؟ کہ جو تم میں سے واقعی صاحب ایمان ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس معاشرے میں ایسے لوگ بھی تھے جو کہنے کو مسلمان تھے‘ لیکن حقیقت میں منافق تھے۔ عبداللہ بن اُبی بھی اُسی معاشرے کا ایک فرد تھا‘ جو انصار کے ایک بڑے قبیلے خزرج کا سردار تھا‘ لیکن پکا منافق تھا۔ حضور ﷺ غزوۂ اُحد کے لیے ایک ہزار کا لشکر لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے‘ لیکن تین سو لوگ آپ ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر اسی عبداللہ بن اُبی کے ساتھ واپس آ گئے۔ نبی کی زندگی میں نبی کا ساتھ چھوڑ دینے والوں کے بارے میں آپ کیا رائے قائم کریں گے؟ اسی لیے فرمایا کہ اللہ کا وعدہ تم میں سے اُن کے ساتھ ہے جو واقعی مؤمن ہیں۔

اس پر مزید اضافہ یہ ہے کہ محض ایمان کافی نہیں بلکہ عمل صالح بھی ضروری ہے۔ اور یہاں عمل صالح سے مراد صرف نماز‘ روزہ‘ حج‘ زکوٰۃ نہیں‘ بلکہ اس سے مراد ہے: دین کو غالب کرنے کی جدوجہد‘ محنت‘ قربانیاں اور اللہ کے رسول کی پکار پر لبیک کہنا جب بھی پکارا جائے۔ اگر یہ سب نہیں ہے تو پھر عمل صالح بھی نہیں ہے‘ اس لیے کہ مدینہ کے منافقین بھی نمازیں پڑھتے تھے‘ بلکہ صف اولیٰ اور تکبیر تحریمہ کا خصوصی اہتمام کرتے تھے‘ جبکہ عبداللہ بن اُبی کے بارے میں تو آتا ہے کہ اپنی چودھراہٹ جتانے کے لیے وہ یہ طریقہ اختیار کرتا تھا کہ حضور ﷺ جب خطبہ کے لیے اٹھتے تھے تو پہلے خود آگے بڑھ کر کھڑا ہوتا اور کہتا: مسلمانو! یہ اللہ کے رسول ہیں‘ ان کی بات کو غور سے سنو اور اس پر عمل کرو! اس سے اس کا مقصد تبلیغ اور تلقین نہیں بلکہ اپنی چودھراہٹ ظاہر کرنا تھا۔ ایسے منافقین کے بارے میں ہی فرمایا گیا: ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱﴾ (المنٰفقون)

’’(اے محمد ﷺ!) جب یہ منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ سے بڑھ کر کس کو معلوم ہوگا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں! لیکن (اے نبی ﷺ!) اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔‘‘

اس ضمن میں سمجھ لیجیے کہ اللہ کا وعدہ ان لوگوں سے ہے جو حقیقتاً مؤمن ہیں اور عمل صالح کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں۔ پھر عمل صالح میں نماز بھی ہے اور اس

میں رسول ﷺ کی مکمل اطاعت بھی ہے۔ اگر اللہ کے رسول پکار رہے ہیں کہ اللہ کی راہ میں نکلو‘ تو اگر ان کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے نکلو گے تو عمل صالح ہوگا‘ اور نہیں نکلو گے تو تمہارے ایمان کی گویا نفی ہوگئی اور تم منافق قرار پاؤ گے۔ اس پورے پس منظر کو ذہن میں رکھیے‘ بلکہ یہاں نوٹ کر لیجیے کہ یہ سورۂ مبارکہ ۶ ہجری میں نازل ہوئی ہے اور سورۃ الفتح بھی ۶ ہجری میں ہی نازل ہوئی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ سورۃ الفتح کی آخری دو آیات میں بھی وہی مضمون ہے جو سورۃ النور کی ان دو آیات میں آیا ہے۔ فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۲۸﴾

’’وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت کاملہ اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو پورے نظامِ زندگی پر غالب کرے۔ اور اللہ کافی ہے بطور گواہ!‘‘

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ ..... وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۲۹﴾

’’محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں ..... ان میں جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ان سے اللہ نے گناہوں کی بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔‘‘

نوٹ کیجیے کہ وہی الفاظ ہیں‘ بس فرق صرف ضمیر کا ہے‘ وہاں مِنْهُمْ ہے‘ جبکہ یہاں مِنْكُمْ ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ وہاں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے جس کا تعلق آخرت سے ہے‘ جبکہ یہاں دنیا کا وعدہ ہے کہ لازماً انہیں زمین میں خلافت (غلبہ) عطا کی جائے گی۔

آج کے مسلمان ایمانِ حقیقی سے خالی!

قبل ازیں یہ بات بڑی تفصیل سے بیان کی جا چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دوران چار اعتبار سے آپؐ بنفس نفیس مطاع تھے۔ عبادات کے طور طریقے بھی آپؐ ہی سکھا رہے تھے‘ احکامِ شریعت کی تنفیذ بھی آپؐ ہی کر رہے تھے‘ مقدمات کے فیصلے بھی آپؐ ہی کر رہے تھے اور ڈگریاں بھی دے رہے تھے کہ یہ زمین کس کی ملکیت

ہے۔ جہاد اور غلبہ دین کی جدوجہد میں بھی آپؐ ہی امیر تھے‘ میدانِ جنگ میں بھی آپؐ ہی سپہ سالار تھے۔ لہٰذا چاروں اعتبار سے براہِ راست آپ کی اطاعت ہو رہی تھی‘ لیکن آپؐ کی وفات کے بعد اب معاملہ یہ ہے کہ عبادات اور شریعت میں تو کتاب اللہ اور سنّتِ رسول قائم مقام ہو گئے‘ باقی رہ گئے فصلِ خصومات تو اس پر عمل تب ہو گا جب کوئی عدالتی نظام ہو گا۔ اسی طرح جہاد و قتال اور اللہ کے دین کے غلبے کی جدوجہد تب ہو گی جب خلافت قائم ہو گی —— وہ خلافت جس کا آیت زیر مطالعہ میں وعدہ کیا گیا ہے —— لیکن یہ وعدہ ان مسلمانوں سے ہے جو ایمانِ حقیقی کے حامل ہوں اور عمل صالح کی روش اختیار کیے ہوئے ہوں۔ نام کے مسلمانوں سے یہ وعدہ نہیں ہے۔ جیسے آج دنیا میں تقریباً سوا ارب مسلمان ہیں‘ لیکن خلافت نام کی کوئی شے موجود نہیں ہے۔ یہی ایک بات ثابت کرتی ہے کہ ہم کون ہیں۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ کیا ہم اس آیت کے مصداق ہیں؟ یقیناً اس کا جواب نفی میں ہے۔ اس لیے کہ اگر ہم اس آیت کے مصداق ہوتے تو آج خلافت موجود ہوتی‘ لیکن ۱۹۲۴ء کے بعد سے لے کر آج تک اس کا وجود ہی نہیں ہے‘ اس کا کہیں کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے خلافت کا ادارہ —— برا بھلا جیسا بھی تھا‘ کمزور تھا‘ مردِ بیمار تھا یا مردِ صحت مند تھا‘ بہرحال موجود تو تھا۔

اس کے بارے میں ایک واقعہ میں آپ کو سنا دوں۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اسیر مالٹا جب قید میں تھے تو آپ نے اس جیل کے انگریز کمانڈنٹ سے ایک دفعہ فرمایا کہ آپ لوگ خلافت کے کیوں پیچھے پڑ گئے ہیں؟ —— شیخ الہندؒ ۱۹۲۰ء میں رہا ہو کر واپس آئے تھے اور اسی سال ان کا انتقال بھی ہو گیا تھا۔ انگریز نے رہا بھی اسی لیے کیا تھا کہ ان کی ٹی بی آخری سٹیج کو پہنچ چکی تھی اور انگریزوں کو یقین تھا کہ اب ان کی زندگی کا چراغ گل ہونے والا ہے اور اگر ہماری قید میں ان کا انتقال ہو گیا تو نمعلوم ہندوستان میں کیا شورش برپا ہو جائے‘ لہٰذا اس سے بہتر ہے کہ ان کو رہا کر دیا جائے —— بہرحال حضرت شیخ الہندؒ نے انگریز کمانڈنٹ سے کہا کہ آپ لوگ کیوں خلافت کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں؟ وہ تو مردِ بیمار ہے‘ بس نام کی خلافت ہے۔ آپ خواہ مخواہ اس کو ختم کرنے

کے درپے ہیں! —— اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ الہندؒ کو معلوم تھا کہ خلافت کو ختم کرنا انگریز کی سازش ہے‘ ورنہ یہ بات اس انگریز سے کہنے کا کوئی مطلب نہیں —— اس انگریز کمانڈنٹ نے ہنس کر بڑا طنزیہ جواب دیا: مولانا! آپ اتنے بھولے بننے کی کوشش نہ کریں۔ ہم بھی جانتے ہیں اور آپ بھی جانتے ہیں کہ اس گئی گزری حالت میں بھی اگر خلیفۃ المسلمین اعلانِ جہاد کر دے تو جاوا اور سماٹرا سے لے کر موریطانیہ تک لاکھوں مسلمان کفن باندھ کر نکل کھڑے ہوں گے۔ ہمیں معلوم ہے کہ خلافت کی ایک علامت (symbol) بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے اور ہم اس علامت کو ختم کر کے جائیں گے۔ پھر انہوں نے اسے ختم کر کے دم لیا۔

بہرحال یہ نوٹ کر لیں کہ آج کا مسلمان اس آیت کا مصداق نہیں ہے‘ اسی لیے آج کرۂ ارضی پر کہیں خلافت کا نشان تک نہیں ہے —— یہ وہی مضمون ہے جو سورۂ آلِ عمران میں بھی آیا ہے: ﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ ’’(اے مسلمانو!) گھبراؤ نہیں اور دل شکستہ مت ہو‘ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم (حقیقی) مؤمن ہو‘‘۔ حقیقی ایمان والوں کے غالب ہونے کا اللہ کا وعدہ ہے اور اگر مسلمان مغلوب ہیں‘ جیسے آج کل حالات ہیں تو سمجھ لیجیے کہ آج کے مسلمانوں میں حقیقی ایمان نہیں ہے۔ جو کچھ اہلِ اسلام کے ساتھ ہوا ہے وہ آپ کے علم میں ہے۔ عراق کا کس قدر بھرکس نکالا گیا ہے۔ دعوے تو یہ تھے کہ ہم مسئلہ حل کرائیں گے‘ امن کانفرنس ہو گی اور اسرائیل کو ۱۹۶۷ء کے مقبوضہ عرب علاقے واپس کرنے پڑیں گے۔ لیکن آپ نے دیکھ لیا کہ امن کانفرنس بھی ہو گئی اور وہ بدمعاشوں کی طرح کہتا ہوا گیا کہ ایک انچ زمین بھی نہیں چھوڑیں گے۔ کسی عرب ملک کے اندر اتنا دم خم نہیں ہے کہ وہ پوچھ بھی سکے کہ جناب آپ کے وعدوں کا کیا ہوا؟ عرب ممالک میں سے عراق واحد ملک تھا جو کچھ آنکھیں دکھانے کے قابل تھا۔ اسرائیل کے پاس تو سینکڑوں ایٹم بم ہیں‘ جبکہ عراق تو ابھی صرف ایٹم بم بنانے کی صلاحیت (capibality) رکھتا تھا‘ لیکن پھر بھی وہ ان کی آنکھوں میں کھٹک رہا تھا۔

اس سارے کھیل میں صدام حسین بھی بہت بڑا احمق ثابت ہوا اور امیر کویت بھی۔ دونوں کو امریکہ نے دام میں پھنسایا ہے۔ ایک طرف کویت کی پیٹھ ٹھونکی کہ ان کا تیل کھینچ لو اور ایران کے خلاف جنگ میں جو پیسے تم نے صدام کو دیے تھے وہ ان سے سود سمیت واپس مانگو۔ دوسری طرف امریکی سفارت کار نے صدام حسین سے جا کر صاف کہا کہ جناب یہ آپ کا سرحدی معاملہ ہے' آپ جیسے چاہیں حل کریں' ہم درمیان میں نہیں آئیں گے۔ چنانچہ صدام نے کویت پر فوج کشی کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ دونوں مسلمان احمق اس جال میں پھنس گئے اور اس سے کس قدر شدید نقصان ہوا۔ تین لاکھ عراقی مارے گئے اور اس سے بھی بڑا نقصان یہ ہوا کہ کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اگر جان چلی جائے اور کوئی مثبت نتیجہ برآمد ہو جائے تو پھر بھی غنیمت ہے۔ جیسے علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!

لاکھوں ستارے ختم ہوتے ہیں تو سورج طلوع ہوتا ہے' لیکن سورج تو طلوع ہو! وہاں یہ ہوا ہے کہ اب اس پورے علاقے کے اندر امریکہ کا شکنجہ ہے۔ ☆ بہرحال یہ حالات اس لیے درپیش ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ شرائط (ایمانِ حقیقی اور عمل صالح) پر پورا نہیں اُتر رہے' ورنہ معاذ اللہ! اللہ کا وعدہ تو غلط نہیں ہو سکتا۔ ذرا سا بھی یہ خیال پیدا ہو جائے تو ہمارا ایمان جاتا رہے گا۔

روئے ارضی پر خلافت کا قیام

آیت زیر مطالعہ میں خلافت کے اس وعدے کے ساتھ یہ بھی فرمایا: ﴿كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠﴾ ''جیسے کہ اس نے خلافت عطا کی تھی ان کو جو ان سے پہلے تھے''۔ اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے —— اصولِ تفسیر کا ایک قاعدہ ہے: اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا کہ قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر بیان کرتی ہے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ کی تفسیر قرآن مجید ہی میں موجود ہے: ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ

☆ واضح رہے کہ یہ خطاب ۱۹۹۳ء کا ہے اور اس میں اُسی دور کے حالات کی عکاسی کی گئی ہے۔

خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ﴾ (صٓ:۲۶) ''اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں خلافت عطا فرمائی ہے۔''

اس ضمن میں یہ تجزیہ بھی کرنا پڑے گا کہ آیت زیر مطالعہ میں مسلمانوں سے جو خلافت کا وعدہ کیا جا رہا ہے کیا یہ ہر اعتبار سے اسی طرح ہوگا جیسے اسرائیل کے عہد زریں میں وعدہ پورا ہوا تھا یا اس میں کوئی فرق ہوگا؟ اس حوالے سے نوٹ کر لیں کہ اس میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت داؤدؑ' حضرت سلیمانؑ اور بنی اسرائیل کے تمام انبیاء کرام بشمول حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) کی بعثت صرف بنی اسرائیل کی طرف تھی' جبکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت پوری نوع انسانی کے لیے ہوئی ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (سبا:۲۸) ''اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام انسانوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر''۔ گویا آپ ﷺ کی اُمت کو جب تک پورے کرۂ ارضی کی خلافت نہیں ملتی تب تک یہ وعدہ ہنوز شرمندۂ تکمیل رہے گا۔ ایک درجے میں تو خلافت راشدہ کی صورت میں یہ وعدہ پورا ہو گیا۔ اس اعتبار سے یہ بڑی اہم بات ہے کہ ہمارے ہاں ایک خاص فرقے نے حضرات ابوبکرؓ' عمرؓ اور عثمانؓ کی خلافت پر جو شبہ پیدا کیا ہے اس کی نفی اس آیت سے ہو جاتی ہے۔ اگر ان کی خلافت صحیح نہیں تھی تو گویا خلافت ابھی تک سرے سے قائم ہی نہیں ہوئی اور اللہ کا وعدہ ابھی تک کسی درجے میں بھی پورا نہیں ہوا۔ یہ بات قطعاً قرآن مجید کے منافی ہے۔ اللہ کا یہ وعدہ ایک خاص درجے میں پورا ہو چکا ہے' بایں طور کہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں سرزمین عرب میں اللہ کا دین غالب ہو گیا: ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝۸۱﴾ (بنی اسرائیل) ''اور کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا' بے شک باطل نابود ہونے والا ہے''۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے جزیرہ نمائے عرب سے باہر دین کے غلبہ کی جدّوجہد شروع کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں یہ دائرہ مزید وسیع ہوا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دس برس میں بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور پھر حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں یہ سیلاب اور تیزی سے آگے جا رہا تھا۔ گویا ع ''تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا''۔

یوں سمجھئے کہ دریائے جیحوں (آج بھی جس کا بڑا حصہ روس اور افغانستان کی سرحد بناتا ہے) سے بحرِ اوقیانوس تک یہ خلافت قائم ہوگئی تھی۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر چونکہ اختلاف رہا ہے اور ان کی خلافت پورے عالمِ اسلام پر قائم نہ ہوسکی' بلکہ ایک علاقہ علیحدہ رہا لہٰذا میں نے صرف تین کے نام لیے ہیں۔ حضرت علیؓ خلیفۂ راشد ہیں' اس میں کوئی شک نہیں' لیکن شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی خلافت مستحکم نہیں ہوسکی۔ لیکن کم سے کم تین خلفاء کی خلافت میں تو کوئی اختلاف نہیں۔ درحقیقت اس درجے میں اللہ کا یہ وعدہ پورا ہو چکا ہے' لیکن اس وعدے کا ایک دور ابھی باقی ہے اور وہ تب ہوگا جب پورے کرۂ ارضی پر خلافت کا نظام قائم ہوگا۔ یہ ہو کر رہے گا' اس لیے کہ یہ حضور ﷺ کے پورے روئے ارضی کی طرف مبعوث ہونے کا منطقی نتیجہ ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت پوری نوعِ انسانی کے لیے تھی — آپ خطبوں میں کبھی یہ الفاظ سنتے ہیں: **اَلمَبْعُوث اِلی الاَسود والاَحمر** یعنی ہر سیاہ فام اور سرخ رو کی طرف بھیجے ہوئے — لہٰذا پورے کرۂ ارض پر خلافت کا نظام قائم ہو کر رہے گا۔ اس کے لیے صریح احادیث بھی موجود ہیں۔ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((لَا يَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِيْزٍ وَذُلِّ ذَلِيْلٍ۔ اِمَّا يُعِزُّهُمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَيَجْعَلُهُمْ مِنْ اَهْلِهَا اَوْ يُذِلُّهُمْ فَيَدِيْنُوْنَ لَهَا)) قُلْتُ: فَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (۱)

''دنیا میں نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر باقی رہے گا نہ کمبلوں کا بنا ہوا خیمہ جس میں اللہ اسلام کو داخل نہیں کر دے گا' خواہ عزت والے کے اعزاز کے ساتھ خواہ کسی مغلوب کی مغلوبیت کی صورت میں۔ (یعنی) یا لوگ اسلام قبول کر کے خود بھی عزت کے مستحق بن جائیں گے یا اسلام کی بالادستی تسلیم کر کے اس کی فرماں برداری قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گے''۔ میں (راوی) نے کہا: تب تو سارے کا

(۱) رواہ احمد بسند صحیح وقد رواہ جماعة آخرون ..... بحوالہ مشکاة المصابیح بتحقیق الالبانی' کتاب الایمان' ح ۴۲۔

سارا دین اللہ کے لیے ہو جائے گا۔

تو یہ وعدہ ضرور پورا ہوگا' البتہ اس وعدے کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کرنی ہوگی' اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ہوگا۔ ابھی تاریخ منتظر ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان کے دعوے دار پھر اٹھیں' منظم ہوں' ایک طاقت بن کر باطل سے ٹکرا جائیں اور اللہ کے دین کو غالب کریں' جیسے کہ محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا۔ اقبال نے کہا تھا: ؎

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اَسلاف کا قلب وجگر!

قیامِ خلافت کے لیے جدّوجُہد ہماری ذمّہ داری ہے!

پورے روئے ارضی پر اللہ کے دین اور نظامِ عدلِ اجتماعی کو غالب کرنا' یہ مشن ہے محمدِ عربی ﷺ کا اور ابھی اس کی تکمیل باقی ہے ؎

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے!

نورِ توحید اپنی جگہ تو مکمل ہو گیا' لیکن ابھی اس سے صرف جزیرہ نمائے عرب منوّر ہوا تھا' جبکہ اطراف واکنافِ عالم' مشرق اور مغرب سب کے سب ابھی اس کے نور سے محروم تھے اور پورا کرۂ ارضی شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا' وہ تثلیث کی صورت میں یا ثنویت کی شکل میں۔ خلافت راشدہ کے دوران یہ نورِ توحید کرۂ ارضی کے بہت بڑے حصے پر پھیل گیا' لیکن اس کا اتمام ابھی باقی ہے۔ محمد عربی ﷺ کے مشن کی تکمیل ابھی باقی ہے اور یہ کام ہمیں حضور ﷺ کے خلیفہ کی حیثیت سے کرنا ہے۔ بعض لوگ یہ سوال پوچھتے ہیں کہ خلافت نہیں ہے تو ہم کیا کریں؟ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ جو مسلمان اپنی ذمہ داری کو سمجھ لیں اور اللہ کے اس وعدے ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ .....﴾ کا مصداق بننا چاہیں تو وہ کھڑے ہوں' جمع ہو کر ایک جماعت بنائیں' کسی ایک امیر کے ہاتھ پر بیعت سمع وطاعت فی المعروف کریں'

پھر اس نظام کے لیے جدوجہد کریں اور اس نظام کو برپا کریں۔

ظاہر بات ہے کہ یہ نظام سب سے پہلے کسی ایک ملک میں قائم ہوگا اور پھر اس کی توسیع ہوگی۔ حضور ﷺ بھی پوری دنیا میں ایک دم اس نظام کو نہیں لا سکے۔ آخر اس دنیا کے کچھ قوانین فطرت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذاتی جدوجہد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قربانیوں کے نتیجے میں پہلے سرزمین عرب میں وہ نظام برپا ہوا۔ اس کے بعد بات آگے پھیلی تو عراق، شام، مصر، ایران تک یہ معاملہ گیا۔ پھر اِدھر ماوراء النہر تک اور اُدھر آگے لیبیا وغیرہ تک معاملہ پہنچا۔ یعنی پہلے یہ نظام ایک ملک میں قائم ہوا اور پھر اس کی توسیع ہوئی۔ یہی ایک طریقہ ہے محمد عربی ﷺ کا اور یہی طریقہ آج اختیار کیا جا سکتا ہے۔

اگر ہم اس نظام کے لیے جدوجہد کریں گے تو ہم اللہ تعالیٰ کے تین وعدوں کے مستحق ہو جائیں گے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ کاش اللہ تعالیٰ اس سرزمین پاکستان کو نظامِ خلافت کا نقطہ آغاز بنائے، جو اِس وقت باہمی خلفشار، انتشار، طرح طرح کے جھگڑوں، نسلی و گروہی فسادات، نفاقِ عملی، نفاقِ باہمی اور نفاقِ قلبی جیسے مصائب و مسائل کا شکار ہے۔ خدانخواستہ جو بھٹیاں یہاں کبھی دہک رہی تھیں کہیں وہ دوبارہ نہ بھڑک اٹھیں۔ اندرون سندھ میں وہی شکل ہو سکتی ہے۔ بیرونی حالات نہایت خراب ہیں، جبکہ اندرونی خلفشار بھی بے قابو ہو رہا ہے۔ ہر آنے والی نئی حکومت میں ایک سے ایک بڑا اسکینڈل سامنے آتا ہے۔ ہمیں ایک قوم کی حیثیت سے سوچنا چاہیے کہ درحقیقت ہم کس خلفشار اور کس خوفناک انجام کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اس کے باوجود نامیدی میں بھی اُمید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے، جس کو انگریزی میں کہتے ہیں: Hoping against hope۔ سورۂ یوسف میں فرمایا گیا ہے: ﴿لَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ ط﴾ (آیت ۸۷) کہ اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو۔ اس لیے میں تو پھر بھی اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے اور مسلمانانِ پاکستان کو اس کی سعادت عطا فرمائے کہ وہ خلافت کا نظام پہلے اس ملک میں قائم کریں۔ پھر جب اس کی برکات ظاہر ہوں گی تو یقیناً پوری دنیا دیکھے گی اور باقی ممالک بھی خلافت کی طرف آئیں گے۔ دُنیا تو دردر کی ٹھوکریں کھا رہی

ہے۔ ایک تجربہ کمیونزم کا کیا تو وہ ناکام ہو گیا، اب کوئی اور تجربہ کریں گے اور پھر ٹھوکر کھائیں گے۔ اس لیے کہ ہدایت آسمانی اور محمد رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا نظام تو خود مسلمان قائم نہیں کر رہے ہیں۔ مسلمان خود اپنے وجود کے ذریعے سے گویا اس کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔

اللہ ربّ العزت کے تین وعدے

آیت استخلاف میں ایمان والوں سے اللہ تعالیٰ کے تین پختہ وعدوں کا بیان ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ امید سے انسان کے اندر عزم و حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر اُمید ہو تو ہمت بندھتی ہے، کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور برقرار رہتا ہے۔ اور اگر اُمید دم توڑ جائے تو پھر قویٰ بھی مضمحل ہو جاتے ہیں، ہمت جواب دے دیتی ہے اور کمر ٹوٹ کر رہ جاتی ہے۔ تو اللہ کے یہ وعدے ہمارے لیے امید کا سہارا ہیں۔ فرمایا: ﴿وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''(اے مسلمانو!) اللہ کا وعدہ ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور عمل صالح کا حق ادا کریں''۔ پہلا وعدہ یہ ہے: ﴿لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ص﴾ ''کہ لازماً وہ انہیں زمین میں خلافت (غلبہ) عطا کرے گا جیسے کہ اُس نے ان سے پہلے والوں کو خلافت عطا کی تھی''۔ دوسرا وعدہ ہے: ﴿وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ﴾ ''اور تمکن عطا فرمائے گا اُن کے لیے اُن کے دین کو جو اُس نے اُن کے لیے پسند کر لیا ہے''—— سورۃ المائدۃ بھی تقریباً ۶۔۷ ہجری میں نازل ہوئی ہے اور اس میں یہ آیت موجود ہے: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط﴾ (آیت ۳) ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کا اِتمام فرما دیا ہے اور تمہارے لیے میں نے اسلام کو بحیثیت دین کے پسند کر لیا ہے''—— جبکہ تیسرا وعدہ ہے: ﴿وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا ط﴾ ''اور لازماً وہ بدل دے گا ان کے خوف کی حالت کو امن کی حالت میں۔''

جو لوگ عربی زبان کی معمولی شد بد بھی رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ عربی زبان میں

کسی وعدے پر تاکید کا اس سے بڑھ کر کوئی اسلوب نہیں ہے کہ فعل مضارع کے شروع میں لام مفتوح اور آخر میں نون مشدد لایا جائے۔ یہاں ان تینوں وعدوں میں یہی انتہائی تاکید کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے: لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ ..... لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ..... لَيُبَدِّلَنَّهُمْ ..... یعنی وہ انہیں لازماً خلافت عطا فرمائے گا..... وہ لازماً ان کے لیے دین کو تمکّن عطا فرمائے گا..... وہ لازماً ان کی خوف کی حالت کو امن سے بدل دے گا۔ یہ خوف کی حالت امن سے تب بدلتی ہے جب دشمن کے اندر طاقت نہ رہے اور دشمن زیر ہو جائے۔ اگر دشمن برابر کا ہے یا دشمن قوی ہے تو ہر وقت حملے کا اندیشہ رہتا ہے۔ ہجرت کے بعد ابتدائی دنوں میں مدینہ منوّرہ میں ہر وقت یہ کیفیت طاری رہتی تھی کہ پتا نہیں کب حملہ ہو جائے اور منافقین اس قسم کی افواہیں اڑاتے رہتے تھے تاکہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہوں۔ تو یہ جو خوف کی سی کیفیت رہتی تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے امن سے بدل دیا۔ اللہ ربّ العزت نے ان تینوں وعدوں کو پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ پورا فرمایا تھا‘ اس لیے کہ انہوں نے ایمان اور عمل صالح کی دونوں شرطیں پوری کیں‘ جدوجہد کی‘ قربانیاں دیں اور جس وقت جو تقاضا آیا اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

ظاہر بات ہے کہ وہ وقت آ کر رہے گا اور یہ خلافت عالمی سطح پر قائم ہوگی‘ اس لیے کہ اس کی خبر تو حضور ﷺ نے دی ہے۔ پھر اس کا کہیں نہ کہیں سے تو آغاز ہوگا۔ کہاں سے ہوگا‘ اس کے بارے میں ہم نہیں جانتے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی خطہ ارضی کو یہ سعادت عطا فرمائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی اور مسلمان ملک کو اس کے لیے قبول فرما لے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تمام مسلمان ممالک کو رد (reject) کر کے کسی نئی قوم کو ایمان لانے کی توفیق عطا فرما دے اور ان کے ہاتھوں نظامِ خلافت کا آغاز فرمائے۔ بلکہ میں آخری بات کہہ رہا ہوں کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کو پہلے کسی دشمن سے پٹوائے‘ ان کا بھرکس نکلوائے اور پھر اسی قوم کو اسلام کی توفیق دے دے اور ان کے ذریعے خلافت کو قائم فرمائے۔ اسلامی تاریخ میں ایک بار پہلے ایسا ہو چکا ہے‘ جس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا: ؎

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے!

تاتاریوں نے لاکھوں نہیں‘ کروڑوں مسلمانوں کو قتل کیا اور پورے کے پورے ملک تہس نہس کر دیے۔ پورا افغانستان‘ سارے کا سارا ترکستان کا علاقہ‘ پورا ایران اور اکثر حصہ عراق کا تہس نہس ہو گیا۔ یہ قتل ہونے والے کہنے کو تو مسلمان تھے لیکن ایمان اور عمل صالح ان کے ہاتھ سے جا چکا تھا‘ جیسے آج ہمارا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے انجام سے بچائے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کر سکیں۔

تاتاری بالکل وحشی لوگ تھے۔ ان کے ہاتھوں ایسے بھی ہوا کہ کسی وحشی سردار نے کسی شہر کو فتح کیا تو وہاں کی ساری آبادی کو قتل کر دیا۔ پھر ان کے سر علیحدہ کیے اور ان سروں کو جمع کر کے ایک پہاڑی سی بنا دی۔ پھر اس پہاڑی پر تخت بچھایا گیا اور اس وحشی سردار نے اس تخت پر بیٹھ کر شراب پی۔ لیکن پھر آپ نے دیکھا کہ وہ تاتاری جن سے اللہ نے مسلمانوں کو اتنی سخت سزا دلوائی‘ وہی ایمان لے آئے۔ انہی کے یہ چار سلسلے تھے: ترکانِ سلجوقی‘ ترکانِ تیموری‘ ترکانِ صفوی اور ترکانِ عثمانی۔ پھر جیسی کبھی عظیم سلطنتِ روما ہوتی تھی ویسی عظیم سلطنتِ عثمانیہ قائم ہوئی اور خلافت بھی عربوں میں ختم ہو کر ترکوں کے پاس آ گئی —— قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾﴾ (محمد) ’’اور اگر تم پیٹھ دکھا دو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو لے آئے گا‘ پھر وہ تمہاری طرح کے نہیں ہوں گے۔‘‘

خلافت اور حاکمیت میں فرق

ان تین وعدوں کے نتیجہ کا ذکر آیت کے اگلے حصے میں ہے جو اس آیت کا بہت ہی پیارا ٹکڑا ہے: ﴿يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ۭ﴾ ’’وہ میری ہی بندگی کریں گے اور میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں کریں گے‘‘۔ یہ ہے خلافت‘ جبکہ ایک ہے حاکمیت۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ حاکمیت یہ ہے کہ میں حاکم اور مختارِ مطلق ہوں لہٰذا جو چاہوں کروں۔ فرعون کا بھی یہی دعویٰ تھا: ﴿اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ

تَحْتِيْ ۚ﴾ (الزخرف:۵۱) ''کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں ہے اور یہ نہریں جو میرے (محلات کے) نیچے بہہ رہی ہیں (میرے اختیار میں نہیں ہیں)!'' یعنی دریائے نیل کا آبپاشی کا جو بھی نظام ہوگا اس کے بارے میں اس کا دعویٰ تھا کہ یہ میرے حکم کے تحت ہے' لہٰذا میں جس کو چاہوں گا پانی دوں گا اور جس کو چاہوں گا نہیں دوں گا۔ اختیار میرا ہے اور میں مختارِ مطلق ہوں۔ یہی تو تھا اس کا خدائی کا دعویٰ۔

آج اتنا فرق واقع ہوا ہے کہ خدائی کا دعویٰ ایک شخص نہیں کرتا بلکہ پوری قوم کرتی ہے کہ ہم حاکم ہیں (we are sovereign) لہٰذا ہم جو چاہیں گے قانون بنائیں گے۔ آج کہا جاتا ہے مُلّاؤں کو ہم نہیں مانتے اور ان کی حکومت تسلیم نہیں کرتے۔ کوئی نہیں چاہتا کہ ملاؤں کی حکومت ہو' لیکن مطلوب یہ ہے کہ کتاب وسنت کی بالادستی ہو۔ خلافت میں انسان کی حاکمیت کا تصور ہی نہیں ہے' بلکہ انسان کی حیثیت خلیفہ کی ہے اور حاکم ومالک اللہ ہے: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝١ مَلِكِ النَّاسِ ۝٢ اِلٰهِ النَّاسِ ۝٣﴾ ''کہو میں پناہ میں آتا ہوں (اللہ کی جو) تمام انسانوں کا رب ہے۔ جو تمام انسانوں کا بادشاہ ہے۔ جو تمام انسانوں کا معبود ہے!''

انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ علامہ اقبال جو عصرِ حاضر میں اس نکتے کو سب سے زیادہ واضح کرنے والے تھے' انہی کے فرزند ارجمند ڈاکٹر جاوید اقبال پارلیمنٹ کی حاکمیت کا ڈھونڈورا پیٹ رہے ہیں' جبکہ علامہ اقبال تو یہ کہہ کر گئے ہیں کہ: ؎

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی' باقی بتانِ آزری!

اسی طرح اقبال کا بڑا پیارا شعر ہے' جس میں ابلیس کے ایک مشیر کی ترجمانی بایں الفاظ کی گئی ہے ؎

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس وخودنگر

پہلے انسانوں میں اتنا شعور نہیں تھا کہ ہمارے بھی کچھ حقوق ہیں۔ وہ یہی سمجھتے تھے کہ ہم تو

پیدا ہی بادشاہ کا حکم ماننے کے لیے کیے گئے ہیں۔ ہم کسان کے گھر میں پیدا ہی اس لیے ہوئے ہیں کہ ہم محنت مزدوری کریں اور جاگیردار ہماری محنت پر عیش کرے۔ ایک زمانہ تھا کہ جب انسانوں میں اپنے حقوق کا شعور نہیں تھا' لیکن رفتہ رفتہ نوعِ انسانی اس سٹیج کو پہنچ گئی کہ عوام میں بھی اپنے حقوق کا شعور پیدا ہوا کہ یہ جاگیردار اور بادشاہ بھی دو ہاتھ اور دو پاؤں والے انسان ہیں اور ہم بھی انسان ہیں تو ان کے پاس حکومت کا حق کہاں سے آ گیا؟ جنہوں نے یورپ کی تاریخ پڑھی ہے' وہ جانتے ہیں کہ وہاں کے بادشاہوں کا دعویٰ تھا کہ ہم خدائی اختیارات (Divine Rights of the King) کے مالک ہیں۔ ہندوستان میں بھی چندربنسی اور سورج بنسی خاندان کا دعویٰ تھا کہ ہم دیوتاؤں کی اولاد ہیں اور ہمارا کام ہی یہ ہے کہ ہم بادشاہت کریں اور تمہارا کام ہی یہ ہے کہ تم غلام بن کر رہو اور ہمارا حکم مانو۔

یہ نظام کئی صدیوں تک اسی طرح چلتا رہا' لیکن جب انسان ذرا خودشناس وخودنگر ہوا تو ابلیس نے یہ کیا کہ وہ جو بادشاہ کے سر کے اوپر حاکمیت کی گندگی کی بہت بڑی گٹھڑی رکھی ہوئی تھی اس نے اس گندگی کو پوری قوم میں تولہ تولہ' ماشہ ماشہ تقسیم کر دیا۔ اس طرح شیطان کا کام چلتا رہا۔ اصل میں شیطان کو ضد اس بات سے ہے کہ کہیں اللہ کی حاکمیت قائم نہ ہو جائے' اس لیے کہ اللہ کی حکومت قائم ہونے سے اس کی شکست ہے۔ اس لیے اس کی کوشش کی ہے کہ انسانوں کی حاکمیت رہے' چاہے ایک بادشاہ کی ہو یا دس کروڑ عوام کی۔

خلافت' حاکمیت کی ضد ہے!

دوسری طرف اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ حاکم اللہ ہے اور حاکمیت اسی کی ہے۔ اس حوالے سے قرآنی آیات کے تین ٹکڑے ملاحظہ ہوں: (۱) ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ﴾ (یوسف:۴۰) ''حکم صرف اللہ ہی کے لیے ہے!'' (۲) ﴿وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۝٢٦﴾ (الکہف) ''وہ اپنی حاکمیت میں کسی کو شریک نہیں کرتا!'' (۳) ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ (بنی اسرائیل:۱۱۱) ''کوئی نہیں ہے شریک اس کی بادشاہی میں''۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ بادشاہی اللہ کے لیے ہے‘ جبکہ انسانوں کے لیے خلافت ہے۔

خلافت کے معنی یہ ہیں کہ جہاں اللہ اور اس کے رسول کا حکم آ گیا تو وہاں سرِتسلیم خم ہو گیا۔ اکیاون (۵۱) فیصد تو کیا‘ سو فیصد لوگ بھی اس میں کوئی ترمیم نہیں کر سکتے۔ اللہ کا حکم ہے‘ لہٰذا کوئی نہیں بدل سکتا۔ اسی طرح اللہ کے رسول کا فرمان ہے اور وہ اللہ کے نمائندے ہیں تو وہاں بھی سرِتسلیم خم۔ البتہ جس معاملے میں ان کا کوئی حکم نہیں ہے وہاں باہمی مشورے اور ووٹنگ کے ذریعے کثرتِ رائے سے طے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ ہے خلافت! اور جہاں یہ ہو کہ ہم جو چاہیں گے قانون بنائیں گے‘ چاہیں گے تو دو مردوں کی شادی کو جائز قرار دیں گے‘ شراب کی اجازت دے دیں گے یا اس کے لائسنس جاری کریں گے۔ اسی طرح اگر ہم چاہیں گے تو زنا کو جرم قرار دیں گے اور چاہیں گے تو صرف زنا بالجبر کو جرم قرار دیں گے اور زنا بالرضا کو جرم شمار نہیں کریں گے۔ چونکہ یہ ہمارا اختیار ہے لہٰذا ہماری پارلیمنٹ بیٹھ کر تمام فیصلے کرے گی۔ یہ ہے جمہوریت اور یہ بدترین شرک ہے۔

خلافت کو آپ ’’اسلامی جمہوریت‘‘ بھی کہہ سکتے ہیں‘ اس لیے کہ اس میں جمہوریت کا ایک عنصر موجود ہے‘ بایں طور کہ جہاں اللہ اور اس کے رسول کا کوئی حکم نہیں ہے تو وہاں باہمی مشورے اور رائے دہی سے معاملہ طے کرنے کا اختیار موجود ہے۔ اس حد تک تو جمہوریت کا عنصر اس میں موجود ہے‘ لیکن کسی ایک شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ جو چاہے قانون بنائے۔ جس معاملے میں اللہ اور اُس کے رسول کا حکم موجود نہیں ہے وہاں بھی کسی ایک شخص کو قانون سازی کا اختیار نہیں ہے‘ بلکہ یہ تو مسلمانوں کی خلافت ہے اور یہاں فیصلہ بھی مسلمانوں کی باہمی مشاورت سے ہوگا۔

البتہ غیر مسلم اس خلافت میں شریک نہیں ہیں‘ اس لیے کہ جس نے نہ اللہ کو مانا‘ نہ کتاب کو مانا‘ نہ رسول کو مانا تو اس کا مسلمانوں کی خلافت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ یہ مسلمانوں کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے دے کر کسی شخص کو خلیفہ منتخب کریں۔ آگے اس خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول کے احکام کی تنفیذ کرے اور جہاں کوئی حکم

موجود نہ ہو وہاں باہمی مشورے ﴿اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ﴾ کا نظام قائم کر کے قانون سازی کرے۔ اس پس منظر میں آیت کے اس ٹکڑے ﴿يَعۡبُدُوۡنَنِىۡ لَا يُشۡرِكُوۡنَ بِىۡ شَيۡـًٔا﴾ کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ میری ہی بندگی کریں گے‘ میری ہی اطاعت کریں گے‘ نماز بھی میرے لیے پڑھیں گے اور حاکمیت بھی میری ہی تسلیم کریں گے۔

مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے!

آیت زیر مطالعہ کا آخری ٹکڑا میرے اور آپ کے لیے بہت لرزا دینے والا ہے۔ فرمایا: ﴿وَمَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۝۵۵﴾ ’’اور جو کوئی اس کے بعد بھی کفر کرے تو ایسے لوگ ہی فاسق ہیں‘‘۔ ان الفاظ کے حوالے سے ایک بات یہ نوٹ کر لیں کہ عام طور پر ہمارے ہاں ’’فاسق‘‘ کا لفظ ذرا ہلکے معنی میں مستعمل ہے۔ مثلاً فاسق اُسے سمجھا جاتا ہے جو مسلمان تو ہے‘ لیکن متقی نہیں ہے اور کچھ گناہ کی زندگی گزار رہا ہے۔ حالانکہ یہ ایک سخت لفظ ہے اور یہ درحقیقت شیطنت کا عکاس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ الکہف میں یہ لفظ ابلیس کے لیے آیا ہے:

﴿وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ كَانَ مِنَ الۡجِنِّ فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهٖ ؕ﴾ (آیت ۵۰)

’’اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے (نہ کیا) وہ جنّات میں سے تھا پس اپنے پروردگار کے حکم سے نکل بھاگا۔‘‘

دوسری بات ﴿وَمَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِكَ﴾ کے حوالے سے نوٹ کرنے کی ہے کہ ایک تو شرعی کفر ہے‘ یعنی کوئی شخص اللہ کا‘ آخرت کا‘ رسول کا اور قرآن کا انکار کر دے‘ لیکن یہاں وہ کفر مراد نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہاں معاملہ مسلمانوں سے ہو رہا ہے اور آیت میں خطاب بھی ان ہی سے ہے‘ لہٰذا یہاں وہ کافر مراد ہیں جو مسلمان ہوتے ہوئے بھی کفر کر رہے ہیں۔ وہ کفر کیا ہے؟ اس حوالے سے سورۃ المائدۃ میں تین دفعہ یہ آیت آئی ہے: ﴿وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ۝۴۴﴾ ..... ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝۴۵﴾ ..... ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۝۴۷﴾ (المائدۃ) ’’اور جو لوگ اللہ کے

اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں ..... وہی تو ظالم ہیں..... وہی تو فاسق ہیں‘‘ — ایک کافر ابوجہل تھا اور ایک ’’کافر‘‘ ہم ہیں جو کہنے کو مسلمان ہیں‘ لیکن ہمارے فیصلے شریعت کے مطابق نہیں ہیں۔ یہ بھی کفر ہے اور اس حوالے سے علامہ اقبال کا بڑا پیارا شعر ہے ؎

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

درحقیقت ہم ان آیات کو پڑھتے ہوئے جب لفظ ’’کفر‘‘ دیکھتے ہیں تو بڑی آسانی سے گزر جاتے ہیں کہ اس کا ہم سے تعلق نہیں ہے‘ اس لیے کہ ہم تو کافر نہیں ہیں۔ حالانکہ کبھی تجزیہ کرنا پڑتا ہے کہ مضمون کیا آ رہا ہے اور کس سیاق وسباق (context) میں یہ بات آ رہی ہے۔

اللہ کے وعدوں پر یقین نہ کرنا بھی کفر ہے!

آیت زیر مطالعہ میں کفر کے دو مفہوم ہیں۔ پہلا مفہوم قبل ازیں بیان کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ مسلمان ہوتے ہوئے غیر اللہ کی حاکمیت پر مطمئن ہیں‘ جو مسلمان ہوتے ہوئے کتاب وسنت کے سوا کسی اور قانون کو تسلیم کر رہے ہیں اور اس سے آگے بڑھ کر جو اسے نافذ کر رہے ہیں‘ ان کو سورۃ المائدۃ کی آیات میں کافر‘ ظالم اور فاسق کہا گیا ہے۔

کفر کا دوسرا مفہوم وہ ہے جو شکر کے مقابلے میں آتا ہے‘ جیسے کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝۷﴾ (ابراھیم) ’’اگر تم میری نعمتوں کا شکر (اور قدردانی) کرو گے تو میں تمہیں لازماً مزید عطا کروں گا اور اگر کفر (کفرانِ نعمت) کرو گے تو (پھر یاد رکھو) میرا عذاب بڑا سخت ہے‘‘۔ اس پس منظر میں ﴿وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ .....﴾ کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ کے وعدوں پر اگر آپ کو یقین نہیں ہے تو آپ نے اللہ کے وعدے کی بہت بڑی ناقدری کی ہے اور یہ کفر ہے —— اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں سے متعلق خود فرماتا ہے: ﴿وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝۱۲۲﴾ (النساء) ’’اللہ کا وعدہ سچا ہے‘ اور اللہ سے بڑھ کر

بات کا سچا کون ہوسکتا ہے!‘‘ اسی طرح سورۃ التوبہ میں فرمایا گیا: ﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ﴾ (آیت ۱۱۱) ’’اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کا وفا کرنے والا کون ہے؟‘‘ غور کیجیے کہ آیت زیر مطالعہ میں اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں سے یہ وعدہ کر رہا ہے کہ اگر تم ایمان اور عمل صالح کا تقاضا پورا کرو تو ہمارا وعدہ ہے کہ ہم تمہیں خلافت عطا کریں گے۔ اللہ کا یہ وعدہ اٹل ہے‘ جیسے سورۃ الطارق میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝۱۳ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝۱۴﴾ ’’یہ ایک فیصلہ کن کلام ہے‘ اور یہ کوئی یاوہ گوئی نہیں ہے‘‘۔ یعنی یہ کسی شاعر کی تک بندی یا کسی واعظ کا غیر یقینی قول نہیں ہے‘ بلکہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اگر تم اللہ کے کلام اور اس وعدوں کی بھی ناقدری کرو‘ بایں طور کہ کمر ہمت نہ کسو‘ جہد وکوشش کرنے کو تیار نہ ہو تو پھر بتاؤ کہ اتنے پختہ وعدوں کے بعد اب کون سا وعدہ ہوگا جس سے تمہارے اندر کوئی جذبہ انگڑائی لے گا اور تم جدوجہد کے لیے کمر کسو گے؟

یہاں اللہ تعالیٰ کے تین وعدے بیان ہوئے ہیں اور تیسرا وعدے پر ذرا غور تو کیجیے: ﴿وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ﴾ کہ اللہ تعالیٰ خوف کی موجودہ حالت کو لازمی طور پر امن سے بدل دے گا۔ آج کتنا خوف ہم پر طاری ہے‘ اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔ پاکستان اور بھارت کے مابین کنٹرول لائن کی ایک لکیر کھنچی ہوئی ہے اور اس لائن کے اُس پار ہزارہا مسلمان عورتوں کی عصمت دری ہو چکی ہے‘ کتنے مسلمان گولیوں سے اڑائے جا چکے ہیں‘ کیا کیا ظلم وستم وہاں ہو رہا ہے اور کروڑہا مسلمانوں کی پاکستانی قوم‘ جس کو کبھی یہ سمجھا گیا تھا کہ جب پاکستان بن جائے گا تو وہ ہندوستانی مسلمانوں کی محافظ ہوگی‘ بھیگی بلّی بنی بیٹھی ہے۔ انڈر دی ٹیبل اگر کوئی مدد ہو رہی ہو تو یہ الگ بات ہے‘ ورنہ کھلّم کھلا کیا ہو رہا ہے اس پر مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس سے زیادہ بے غیرتی اور بے حمیتی کوئی ممکن ہے؟ آپ دورِ بنواُمیہ کو گالیاں دیتے ہیں‘ لیکن اس دور بنواُمیہ کی شان یہ تھی کہ چند مسلمان عورتوں کی چیخیں اِسی علاقے سے گئی تھیں اور محمد بن قاسم رحمہ اللہ حجاز سے وہاں پہنچ گئے تھے۔ جبکہ آج مسلمان آبادیوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم پر خوف

طاری ہے‘ ہم میں لڑنے کی سکت نہیں‘ ہم کوئی خطرہ (risk) مول نہیں لے سکتے اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کر سکتے۔ اگر کچھ کر بھی رہے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں کر رہے‘ اور اگر ہم اپنے مظلوم مسلمان بھائیوں کے لیے کچھ نہیں کر رہے تو یہ بے غیرتی کی انتہا ہے۔ لیکن اگر ہم خلافت کا راستہ اختیار کریں گے تو پھر طاقت اللہ دے گا اور عالَمِ کفر کو ہمارے خلاف کچھ کرنے کی جرأت نہیں ہوگی۔ یہ اللہ کے پختہ وعدے ہیں اور اس کے باوجود لوگ اگر کمر ہمت نہ کسیں‘ محنت نہ کریں‘ جدوجہد نہ کریں تو اس سے بڑا کفر اور کیا ہوگا!

’’تحریکِ خلافت پاکستان‘‘

آخر میں یہ عرض ہے کہ یہ لمحۂ فکریہ ہے۔ ہر شخص سوچے‘ غور کرے کہ میں کیا کروں اور کیسے کروں! ہم نے مسلمانوں کو ان کی دینی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنے کے لیے ایک اسلامی انقلابی جماعت ’’تنظیم اسلامی‘‘ کے نام سے قائم کی ہے‘ جو اولاً پاکستان اور بالآخر ساری دنیا میں دین حق یعنی نظامِ خلافت کو قائم کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ اس مقصد کے لیے خاص طور پر ’’تحریک خلافت پاکستان‘‘ کے نام سے تحریک چلائی گئی ہے۔ اس میں شامل ہونا ہر شخص کے لیے فرض نہیں ہے۔ البتہ جو شخص ہم پر اعتماد کرے‘ ہمارے طریقہ کار سے اتفاق کرے تو وہ ہمارے ساتھ شامل ہو کر ہمارا دست و بازو بنے۔ نبی ﷺ کا ساتھ دینا شخصاً لازم تھا‘ لیکن ختمِ نبوّت کے بعد اب کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے ماننے یا نہ ماننے پر ایمان اور کفر کا دار و مدار ہو۔ آپ کو جس سے اتفاق ہو اس کے ساتھ لگ جایئے‘ جو طریق کار سمجھ میں آئے اُس کے مطابق کام کیجیے‘ لیکن یہ یاد رکھیے کہ خلافت کے نظام کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرنا ہم پر لازم ہے۔

یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ ترکی میں جب خلافت ختم کی جا رہی تھی تو اُس کے بچاؤ کے لیے ہندوستان میں تحریک اٹھی۔ یہ بھی تاریخ کا ایک عجیب واقعہ ہے کہ خلافت کا مسئلہ اگرچہ پورے عالَمِ اسلام کا تھا‘ ترکی کی خلافت صرف ہندوستان کے لیے تو نہیں تھی‘ لیکن

اس پر صرف برصغیر پاک و ہند میں تحریک چلی‘ اور کہیں نہیں چلی۔ ۱۹۲۰ء کی تحریک خلافت میں ایک نظم اور خاص طور پر اس کے ایک شعر سے پورا ہندوستان گونج اٹھا تھا: ’’بولی اماں محمد علی کی جان بیٹا خلافت پہ دے دو‘‘۔ اس پر تحریک خلافت نے اتنا زور پکڑا کہ گاندھی کو بھی اپنی قیادت و سیادت اور چودھراہٹ بچانے کے لیے تحریک خلافت میں شمولیت اختیار کرنی پڑی۔ یہ بھی ایک معجزہ تھا‘ اس لیے کہ گاندھی کا تو خلافت سے کوئی تعلق تھا ہی نہیں۔ آگے ہماری بدقسمتی کی داستان شروع ہو جاتی ہے کہ تحریک خلافت تو اگرچہ زور و شور سے جاری تھی‘ مگر ترکوں نے ’’مدعی سست‘ گواہ چست‘‘ کے مصداق خود ہی اسے ختم کر دیا۔

اب ہندوستان کے وہی مسلمان‘ جن کی ایک بہت بڑی تعداد آج پاکستان میں ہے‘ آج اپنے حقوق اور ملازمتوں کے لیے تحریکیں چلاتے ہیں —— یہ ٹھیک ہے‘ میں اس کی نفی نہیں کرتا۔ ہر انسان کو اپنا حق لینے کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ اس حوالے سے تو یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ آپ کوئی سودا خریدیں تو جھگڑیں‘ تاکہ آپ کی نرمی کی وجہ سے کوئی آپ کو ناجائز نقصان نہ پہنچا دے یا ناجائز فائدہ نہ اٹھا لے —— لیکن یہ کہ اصل فرض منصبی جس کے لیے پاکستان بنایا گیا تھا وہ منزل نہ آج سندھی کو یاد ہے‘ نہ مہاجر‘ پنجابی‘ بلوچی اور پٹھان کو۔ جھگڑا ہے تو صرف اپنے دنیوی حقوق اور ملازمتوں کا۔ حالانکہ جس جذبے کے ساتھ ان معاملات میں آپ تحریکیں چلا رہے ہیں اگر اس کو اصل مشن کی طرف موڑ دیں تو کوئی انہونی بات نہیں کہ تحریک خلافت والا جذبہ کراچی سے اُبھرے۔ لیکن یہ ہم سب کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ جس مقصد کے لیے یہ ملک بنا تھا اور لاکھوں جانیں دی گئی تھیں‘ اس کو حاصل کرنے کے لیے اس سرزمین میں کوئی زرخیزی نہیں ہے‘ کوئی اس کے لیے اُٹھنے والا نہیں ہے‘ کوئی اس تحریک کو زندہ کرنے والا نہیں ہے۔

اس سلسلے میں جو تحریک خلافت ہم نے شروع کی ہے‘ اس کے تحت لاہور‘ فیصل آباد اور ملتان میں ہم تین جلسے کر چکے ہیں اور اسی مہینے کی ۲۲ تاریخ کو راولپنڈی اور اگلے ماہ شہر کراچی میں‘ ان شاء اللہ‘ ہم جلسے منعقد کریں گے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ شاید مسلمانوں

کو بھولی ہوئی منزل یاد آ جائے اور ہوسکتا ہے کہ نوجوان اٹھ کھڑے ہوں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں تو بنی اسرائیل جہاد کے لیے تیار نہیں ہوئے' لیکن چالیس برس کے بعد اُن کے نوجوان اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین حضرت یوشع بن نون کے ساتھ مل کر جہاد کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ سے فلسطین فتح کرا دیا۔ کچھ پتا نہیں اللہ تعالیٰ اب بھی ایسا کر دے اور ہمارے نوجوان اس کام کے لیے کمر کس لیں۔ میری آپ سب سے گزارش ہے کہ یہاں جو چار ورقہ پمفلٹ بعنوان: ''پاکستان میں نظامِ خلافت: کیا' کیوں اور کیسے؟'' تقسیم کیا گیا ہے' آپ اُسے حاصل کیجیے اور اس پر غور کیجیے۔

ہم اُمید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سرزمین سے خلافت کے قیام کا آغاز فرمائے گا' اس لیے کہ یہ سرزمین بہت عظیم چیزوں کی امین ہے۔ بالاکوٹ میں تحریک شہیدین کا خون اس میں جذب ہے۔ ؎

ہیں بالا کوٹ کی مٹّی کے ذرّے
ہماری آرزوؤں کے مزارات
ہیں ہر ذرّے کی پیشانی پہ منقوش
ہمارے عزم کے خونی نشانات

اس اعتبار سے سوچیے' غور کیجیے' کوشش کیجیے اور پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ اگر عزم و ارادہ کی توفیق دے تو ہمت کریں اور ہماری اس تحریک خلافت کے ساتھ مل کر کام کریں۔

میری اس تحریک کی جڑ اور بنیاد قرآن حکیم کا پڑھنا پڑھانا ہے۔ میں نے تیس برس یہی کام کیا ہے' اس لیے کہ انقلابی عمل کا پہلا کام ہی ﴿یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ﴾ ہے' یعنی اللہ کی آیات پڑھ کر سنانا۔ اسی سے ایمان پیدا ہوگا اور اسی سے اپنے فرض کا احساس پیدا ہوگا۔ اس لیے کہ میری بات تو میری بات ہے' جبکہ قرآن کی بات تو اللہ کا کلام ہے۔ اس کی جو تاثیر ہوگی وہ کسی انسان کی بات کی تو نہیں ہوسکتی۔ قرآن کے درس کا اصل مقصد ہی یہی ہے کہ قرآن پڑھنا ہے تو اس پر عمل بھی کرنا ہے۔ اب قرآن پر عمل کرنا انفرادی بھی

ہے اور اجتماعی بھی۔ انفرادی عمل میں خود تقویٰ اختیار کرنا' متقی بننا' عبادات اور حلال و حرام پر کاربند ہونا وغیرہ شامل ہے' جبکہ اجتماعی عمل یہ ہے کہ اللہ کی حاکمیت اور مسلمانوں کی خلافت کا نظام عملاً قائم ہو جائے۔

اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں!

جب سے میں نے اس تحریک کا آغاز کیا ہے تو بہت سے لوگ اس کا مذاق بھی اڑا رہے ہیں۔ جیسے اکبر الٰہ آبادی نے کہا تھا ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں!

اس زمانے میں جمہوریت کا راگ الاپنے والے کی واہ واہ ہے۔ ہم نے بھی مارشل لاء کے مقابلے میں جمہوریت کی تائید کی' اس لیے کہ اس ملک کے لیے مارشل لاء زہر قاتل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس ملک کی فوج میں سندھ اور بلوچستان کی کوئی نمائندگی سرے سے ہے ہی نہیں۔ جیسے کہ پہلے ہمارے بنگالی بھائیوں کو شکایت ہوگئی تھی کہ مارشل لاء کا مطلب ہے: مغربی پاکستان کی حکومت مشرقی پاکستان پر' اس لیے کہ فوجی تو سارے کے سارے وہیں کے ہیں۔ سندھ کے اندر بھی جو بہت سا فساد پیدا ہوا ہے' یہ مارشل لاء ہی کا نتیجہ ہے۔

لیکن اب ہم نے ''اسلامی جمہوریت'' کے لفظ کو بھی چھوڑ دیا ہے' اس لیے کہ جمہوریت کے لفظ کے اندر انسانی حاکمیت کی نجاست گھلی ہوئی ہے اور کہیں نہ کہیں اس کے اندر حاکمیت کا تصور خود بخود آ جاتا ہے۔ لہٰذا ہم نے اس کے لیے قرآن و سنت کی اصطلاح ''خلافت'' کو استعمال کیا ہے' جس کا آیت زیر مطالعہ میں تذکرہ آیا ہے۔ اس تحریک خلافت پر غور کیجیے اور اس کے ساتھ کام کرنے کا ارادہ کیجیے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو توفیق دے کہ ہم اس آیت: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ.....﴾ کا مصداق بن کر اللہ کے وعدوں کے مستحق ٹھہریں۔ آمین یارب العالمین!

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولكم ولسائر المسلمين والمسلمات○○

اسلام میں انسانی حقوق کا
معاشی ومعاشرتی تصور

پروفیسر عبدالعظیم جانباز☆

قرآنِ مجید کے عطا کردہ معاشی تصورات کی روشنی میں ہر فردِ معاشرہ کے لیے اصولی طور پر برابر معاشی مواقع فراہم کیے گئے ہیں۔ اب یہ ریاستی اتھارٹی اور معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر فردِ معاشرہ کے اقتصادی ومعاشی حق کی فراہمی کو یقینی بنائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معاشی بدحالی کے خوف سے قتلِ انسانی سے منع کیا ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝۳۱﴾ (بنی اسراء یل)

''اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ہی انہیں رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ بے شک ان کا قتل ہمیشہ سے بہت بڑا گناہ ہے۔''

قرآنِ مجید کی تعلیمات سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ رزق اور وسائل رزق میں تفاوت بجائے خود کوئی برائی نہیں ہے جسے مٹانا اور مصنوعی طور پر ایک بے طبقات سوسائٹی پیدا کرنا کسی درجہ میں بھی مطلوب ہو۔ صحیح راہ عمل یہ ہے کہ سوسائٹی کے اخلاق واطوار اور قوانین عمل کو اس انداز پر ڈھال دیا جائے کہ معاشی تفاوت کسی ظلم وبے انصافی کا موجب بننے کے بجائے ان بے شمار اخلاقی، روحانی اور تمدنی فوائد وبرکات کا ذریعہ بن جائے، جن کی خاطر ہی دراصل خالق کائنات نے اپنے بندوں کے درمیان یہ فرق وتفاوت رکھا ہے۔

معاشرے کے صاحبِ حیثیت افراد کو افزائش رزق کی تعمیری کوششوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ اے انسان! رزق رسانی کا انتظام تیرے ہاتھ میں نہیں ہے، بلکہ اس پروردگار کے ہاتھ میں ہے جس نے تجھے زمین میں بسایا ہے۔ جس طرح وہ پہلے آنے

☆ای میل: azeemjanbaz@yahoo.com

والوں کو روزی دیتا رہا ہے اسی طرح بعد کے آنے والوں کو بھی دے گا۔ تاریخ کا تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ دنیا میں کھانے والی آبادی جتنی بڑھتی گئی، اتنے ہی معاشی ذرائع (economical resources) وسیع ہوتے چلے گئے۔

دولت کی گردش کا قرآنی تصور

قرآنِ حکیم دولت کے ارتکاز کے بجائے اس کی گردش کی تعلیم دیتا ہے، تاکہ ہر فردِ معاشرہ کو برابر معاشی واقتصادی ثمرات میسر آسکیں:

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ ۭ﴾ (الحشر:۷)

''تاکہ وہ (مال) تمہارے مال داروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔''

اس آیت میں اسلامی معاشرے اور حکومت کی معاشی پالیسی (economical policy) کا یہ بنیادی قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ دولت کی گردش پورے معاشرے میں عام ہونی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ مال ودولت صرف مال داروں ہی میں گھومتا رہے یا امیر روز بروز امیر تر اور غریب دن بدن غریب تر ہوتے چلے جائیں۔ اسی مقصد کے لیے سود حرام کیا گیا ہے، زکوٰۃ فرض کی گئی ہے، صدقات کی تلقین کی گئی ہے، مختلف قسم کے کفاروں کی ایسی صورتیں تجویز کی گئیں ہیں جن سے دولت کے بہاؤ کا رُخ معاشرے کے غریب طبقات کی طرف پھر جائے۔ میراث کا ایسا قانون بنایا گیا ہے کہ ہر مرنے والے کی چھوڑی ہوئی دولت زیادہ سے زیادہ وسیع دائرے میں پھیل جائے۔ اخلاقی حیثیت سے بخل کو سخت قابل مذمت اور فیاضی کو بہترین صفت قرار دیا گیا ہے۔ غرض وہ انتظامات کیے گئے ہیں کہ دولت کے ذرائع پر مال دار اور بااثر لوگوں کی اجارہ داری (monopoly) قائم نہ ہو اور دولت کا بہاؤ امیروں سے غریبوں کی طرف ہو جائے۔

الغرض اسلام کے عطا کردہ اقتصادی اور معاشی حقوق کا مقصود معاشرے کے محروم المعیشت افراد کو بھی ایسے مواقع فراہم کرنا ہے کہ وہ حقیقی معنی میں ایک فلاحی معاشرے کے شہری کے طور پر زندگی گزار سکیں۔

معاشی جدّوجُہد کا حق

اسلام کی آمد سے قبل عرب معاشرہ طبقاتی تقسیم کا شکار تھا۔ سود اور استحصال کی دوسری صورتوں نے معاشی جدوجہد کو مفلوج کر رکھا تھا۔ ذرائع آمدنی پر مخصوص لوگوں کا قبضہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے نا صرف غیر صحت مندانہ معاشی سرگرمیوں کا خاتمہ کیا، بلکہ معاشرے میں

صحت مند معاشی سرگرمیوں کے فروغ کے لیے ہر شخص کو معاشی جدوجہد کا حق عطا فرمایا اور ہر پیشے کو باوقار پیشہ قرار دیا۔ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

((مَا اَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ اَنْ يَّاْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ ، وَاِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ، كَانَ يَاْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ)) (۱)

''کسی شخص نے کبھی کوئی کھانا اس سے اچھا نہ کھایا کہ انسان ہاتھوں کی کمائی سے کھائے۔ اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کے عمل سے کھاتے تھے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ)) (۲)

''حلال کمائی کی تلاش ایک فرض کے بعد دوسرا فرض ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے قرآنِ مجید لکھنے کی اجرت کے متعلق پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا:

((لَا بَاْسَ اِنَّمَا هُمْ مُصَوِّرُوْنَ وَاِنَّهُمْ اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ مِنْ عَمَلِ اَيْدِيْهِمْ)) (۳)

اس میں کوئی حرج نہیں، یہ لوگ تو کتابت کرنے والے ہیں اور اپنے ہاتھ کے کام سے کھاتے ہیں۔''

غریبوں اور محتاجوں کا حق

حضور ﷺ نے غریبوں اور محتاجوں سے حسن سلوک کی تعلیم دی۔ آپ ﷺ جب بھی غریبوں اور محتاجوں کو کسی تکلیف میں مبتلا دیکھتے، تو جب تک ان کی تکلیف کا ازالہ نہ ہو جاتا آپؐ مطمئن نہ ہوتے۔ قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر غریبوں اور محتاجوں کے حقوق کا تذکرہ بایں طور کیا گیا ہے کہ معاشرے کے صاحبِ حیثیت افراد پر ان کی معاشی بحالی کا حق ہے، جس کی ادائیگی اہلِ ایمان کے لیے ضروری ہے:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۱۵)

''(اے نبی ﷺ!) وہ آپ سے پوچھتے ہیں کیا چیز خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجیے کہ تم خیر میں سے جو بھی خرچ کرو سو وہ ماں باپ اور زیادہ قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لیے ہے۔''

﴿وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۸﴾ (النساء)

''اور جب (میراث کی) تقسیم کے وقت قرابت والے اور یتیم اور مسکین حاضر ہوں تو انہیں اس میں سے کچھ دے دو اور ان سے اچھی بات کہو۔''

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ.....﴾ (النساء:۳۶)

''اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور قرابت والے کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ.....''

﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝۲۶﴾ (بنی اسرائیل)

''اور قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤ۔''

﴿اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝۳۳ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳۴ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۝۳۵﴾ (الحاقۃ)

''بلاشبہ وہ بہت عظمت والے اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ سو آج یہاں اس کا کوئی دِلی دوست نہیں ہے۔''

﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝۸﴾ (الدھر)

''اور وہ کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور قیدی کو۔''

﴿فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝۹ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝۱۰﴾ (الضحیٰ)

''پس تم یتیم پر سختی نہ کرنا، اور سائل کو نہ جھڑکنا۔''

یہی تعلیم احادیث مبارکہ میں بھی دی گئی ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ رَجُلًا كَانَ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اَتَاهُ الْمَلَكُ لِيَقْبِضَ رُوْحَهٗ، فَقِيْلَ لَهٗ: هَلْ عَلِمْتَ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: مَا اَعْلَمُ ، قِيْلَ لَهٗ: اُنْظُرْ ، قَالَ: مَا اَعْلَمُ شَيْـًٔا غَيْرَ اَنِّيْ كُنْتُ اُبَايِعُ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا وَاُجَازِيْهِمْ ، فَاُنْظِرُ الْمُوْسِرَ، وَاَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ ، فَاَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ)) (۴)

''تم سے اگلے لوگوں میں ایک شخص تھا جس کے پاس اس کی روح قبض کرنے فرشتہ آیا، تو اس سے کہا گیا کہ کیا تو نے کوئی نیکی کی ہے؟ وہ بولا میں نہیں جانتا۔ اس سے کہا گیا:

غور تو کر! اس نے کہا: میں اس کے سوا کچھ اور نہیں جانتا کہ میں لوگوں سے تجارت کرتا تھا اور جب ان سے قرض کا تقاضا کرنا ہوتا تو امیر کو مہلت دے دیتا اور غریب کو معافی۔ چنانچہ اللہ نے اسے جنت میں داخل فرما دیا۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كَانَ رَجُلٌ يُدَايِنُ النَّاسَ فَكَانَ يَقُوْلُ لِفَتَاهُ اِذَا اَتَيْتَ مُعْسِرًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ لَعَلَّ اللّٰهَ يَتَجَاوَزُ عَنَّا ، فَلَقِيَ اللّٰهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ)) (۵)

''ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے نوکر سے اس نے کہہ رکھا تھا کہ جب تو کسی تنگ دست کے پاس تقاضا کرنے جائے تو اسے معاف کر دے' ہو سکتا ہے کہ اللہ ہم کو معاف کر دے۔ پس وہ اللہ سے ملا تو رب نے اس سے درگزر فرما دیا۔''

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ سَرَّهُ اَنْ يُنْجِيَهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ اَوْ يَضَعْ عَنْهُ)) (۶)

''جو چاہے کہ اللہ اسے روزِ قیامت کی تکالیف سے نجات دے تو اُسے چاہیے کہ وہ تنگ دست کو مہلت دے یا معافی۔''

اسی طرح ایک اور حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل ہوا ہے کہ'' جو کسی تنگ دست کو مہلت یا معافی دے تو اسے اللہ اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔''

محروم المعیشت کا حق

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے کے صاحب حیثیت افراد پر لازم قرار دیا ہے کہ وہ معاشرے کے محروم المعیشت افراد کے معاشی استحکام کے لیے اقدامات کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے محروم المعیشت افراد کا حق قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝۲۴ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝۲۵﴾ (المعارج)

''اور وہ جن کے مالوں میں ایک مقرر حصہ ہے' سوال کرنے والے کے لیے اور (اس کے لیے) جسے نہیں دیا جاتا۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝۱۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝۱۲ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝۱۳ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝۱۴ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝۱۵ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝۱۶﴾ (البلد)

''پھر (بھی) وہ مشکل گھاٹی عبور نہ کر سکا۔ اور تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ وہ مشکل گھاٹی کیا ہے؟ (وہ) گردن کا چھڑانا ہے' یا کسی بھوک والے دن میں کھانا کھلانا ہے' کسی قرابت والے یتیم کو' یا مٹی میں ملے ہوئے کسی مسکین کو۔''

مزدوروں کا حق

عادلانہ اور منصفانہ معاشی نظام (economical system) کے قیام کے لیے آجر اور مستأجر میں عدل وانصاف پر مبنی تعلقاتِ کار ضروری ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل وانصاف پر مبنی معاشی نظام کے اسی بنیادی تقاضے کو پورا کرتے ہوئے مزدوروں کے حقوق کا تعین فرمایا اور انہیں ہر طرح کا معاشی تحفظ (economical security) عطا فرمایا۔ قرآنِ حکیم کی تعلیمات کے مطابق معاشی تفاوت انسانی مساوات کی روح کو بے اثر نہیں کر سکتی' بلکہ نفس واحدہ سے تخلیق پانے کے سبب سب انسان مساوی عزت وتکریم کے حامل ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝۱﴾

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی پیدا کی اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (زمین میں) پھیلا دیے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو' اور رحمی رشتوں کا لحاظ کرو۔ بے شک اللہ ہمیشہ تم پر پورا نگہبان ہے۔''

تاہم معاشی عدمِ تفاوت بھی لوگوں کی آزمائش اور انہیں نیکی کی راہ اختیار کرنے کی ترغیب دینے کے لیے رکھا گیا ہے۔ سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۠ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۶۵﴾

''اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین کے جانشین بنایا اور تمہارے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کر دیا' تاکہ وہ ان چیزوں میں تمہاری آزمائش کرے جو اُس نے تمہیں دی ہیں۔ بے شک تمہارا ربّ بہت جلد سزا دینے والا ہے اور وہ یقیناً بے حد بخشنے والا' نہایت مہربان ہے۔''

﴿اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ (الزخرف)

''کیا وہ تمہارے ربّ کی رحمت تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے خود ان کے درمیان ان کی معیشت دنیا کی زندگی میں تقسیم کی اور ان میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کیا' تاکہ ان کا بعض' بعض کو تابع بنالے۔ اور تمہارے ربّ کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے آجر پر مزدوروں کے حقوق کی حفاظت وادائیگی لازمی قرار دی' تاکہ ان کی معیشت محفوظ و مستحکم ہو اور وہ اپنی معاشی سرگرمیوں کے ثمرات سے متمتع ہوسکیں:

((اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ اسْتِئْجَارِ الْاَجِيْرِ حَتّٰى يُبَيَّنَ لَهٗ اَجْرُهٗ)) (۷)

''نبی اکرم ﷺ نے مزدور سے اس کی مزدوری کے تعین سے قبل کام لینے سے منع فرمایا۔''

((ظُلْمُ الْاَجِيْرِ اَجْرَهٗ مِنَ الْكَبَائِرِ)) (۸)

''مزدوروں پر مزدوری کی ادائیگی میں ظلم کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَعْطُوا الْاَجِيْرَ اَجْرَهٗ قَبْلَ اَنْ يَجِفَّ عَرَقُهٗ)) (۹)

''مزدور کو مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو۔''

گھریلو خُدّام کے حقوق

رسول اللہ ﷺ نے ہر معاشرتی وسماجی تعلق کو تکریم انسانیت کے اصول پر مبنی قرار دیا۔ دورِ جاہلیت میں خادموں کو جس حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا' آپ ﷺ نے اس تصور کو کلیۃً بدل دیا اور فرمایا کہ خدام کو بھی وہی عزت اور مرتبہ دو جو تم اپنے خاندان کے دوسرے افراد کو دیتے ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ خادموں سے آپ ﷺ کے حسن سلوک کو یوں بیان کرتے ہیں:

((خَدَمْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَشْرَ سِنِيْنَ فَمَا قَالَ لِيْ: اُفٍّ وَلَا لِمَ صَنَعْتَ؟ وَلَا اَلَّا صَنَعْتَ؟)) (۱۰)

''میں نے دس سال نبی کریم ﷺ کی خدمت کا شرف حاصل کیا' لیکن آپؐ نے کبھی مجھ سے اُف تک نہ کہا اور نہ یہ کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا اور فلاں کام تم نے کیوں نہ کیا؟''

آپ ﷺ نے خادم کی خدمت کی داد وتحسین کرنے اور اسے برابر سماجی مرتبہ دینے کی

تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

((اِذَا اَتٰى اَحَدَكُمْ خَادِمُهٗ بِطَعَامِهٖ فَاِنْ لَمْ يُجْلِسْهُ مَعَهٗ، فَلْيُنَاوِلْهُ لُقْمَةً اَوْ لُقْمَتَيْنِ اَوْ اُكْلَةً اَوْ اُكْلَتَيْنِ، فَاِنَّهٗ وَلِيَ عِلَاجَهٗ)) (۱۱)

''جب تم میں سے کسی کے پاس اس کا خادم کھانا لے کر آئے تو اگر اس کو اپنے ساتھ کھانے پر نہ بٹھائے تو اسے چاہیے کہ ایک یا دو لقمہ اسے دے دے' اس لیے کہ اس نے محنت کی ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا صَنَعَ لِاَحَدِكُمْ خَادِمُهٗ طَعَامَهٗ ثُمَّ جَاءَهٗ بِهٖ وَقَدْ وَلِيَ حَرَّهٗ وَدُخَانَهٗ فَلْيُقْعِدْهُ مَعَهٗ فَلْيَاْكُلْ، فَاِنْ كَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوْهًا قَلِيْلًا فَلْيَضَعْ فِيْ يَدِهٖ مِنْهُ اُكْلَةً اَوْ اُكْلَتَيْنِ)) (۱۲)

''جب کسی کا خادم اس کے لیے کھانا تیار کرے' پھر وہ کھانا لائے اور اس کی گرمی اور دھواں برداشت کرچکا ہو تو اسے اپنے ساتھ بٹھالے کہ وہ بھی کھائے' اور اگر کھانا تھوڑا ہو تو خادم کے ہاتھ پر اس میں سے ایک دو لقمے ضرور رکھ دے۔''

آپ ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ اگر خادم سے غلطی یا خطا سرزد ہوجائے تو اس پر بھی اس سے درگزر اور عفو کا سلوک کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَمْ نَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ؟ فَصَمَتَ، ثُمَّ اَعَادَ اِلَيْهِ الْكَلَامَ فَصَمَتَ، فَلَمَّا كَانَ فِي الثَّالِثَةِ قَالَ: ((اُعْفُوْا عَنْهُ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً)) (۱۳)

''ایک شخص حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہم خادم کو کتنی بار معافی دیں؟ آپؐ خاموش رہے۔ اس نے پھر وہ سوال دہرایا' آپؐ خاموش رہے۔ پھر جب تیسری بار سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے ہر دن میں ستر بار معافی دو۔''

عامۃ الناس کے عمومی حقوق

اسلام کے معاشی اور اقتصادی نظام کا مقصود ایک فلاحی معاشرہ قائم کرنا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے معاشرے کے ہر فرد کو بنیادی ضروریات (basic necessities) کا حق عطا کرکے اسلامی معاشرے کو حقیقی معنوں میں فلاحی معاشرہ قرار دیا' جس میں کسی بھی فرد کو بنیادی

ضروریات اور عمومی سہولیات کے حقوق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الشَّيْءُ الَّذِيْ لَا يَحِلُّ مَنْعُهٗ؟ قَالَ : ((اَلْمَآءُ وَالْمِلْحُ وَالنَّارُ)) ، قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا الْمَآءُ قَدْ عَرَفْنَاهُ، فَمَا بَالُ الْمِلْحِ وَالنَّارِ؟ قَالَ: ((يَا حُمَيْرَاءُ مَنْ اَعْطٰى نَارًا فَكَاَنَّمَا تَصَدَّقَ بِجَمِيْعِ مَا اَنْضَجَتْ تِلْكَ النَّارُ، وَمَنْ اَعْطٰى مِلْحًا فَكَاَنَّمَا تَصَدَّقَ بِجَمِيْعِ مَا طَيَّبَ ذٰلِكَ الْمِلْحُ، وَمَنْ سَقٰى مُسْلِمًا شَرْبَةً مِنْ مَاءٍ حَيْثُ يُوْجَدُ الْمَاءُ، فَكَاَنَّمَا اَعْتَقَ رَقَبَةً، وَمَنْ سَقٰى مُسْلِمًا شَرْبَةً مِنْ مَاءٍ ، حَيْثُ لَا يُوْجَدُ الْمَاءُ فَكَاَنَّمَا اَحْيَاهَا)) (۱۴)

''اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے' انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کون سی چیز ہے جس کا منع کرنا حلال نہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''پانی' نمک اور آگ''۔ فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! پانی کو تو ہم سمجھ گئے' مگر نمک اور آگ کا یہ حکم کیوں ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اے حمیرا! جس نے کسی کو آگ دی اُس نے گویا اس آگ سے پکا ہوا سارا کھانا خیرات کیا اور جس نے کسی کو نمک دیا اس نے گویا سارا وہ کھانا خیرات کیا جسے اس نمک نے لذیذ بنایا' اور جس نے کسی مسلمان کو ایک گھونٹ پانی پلایا' جہاں پانی عام ملتا ہو' اس نے گویا ایک غلام آزاد کیا' اور جس نے کسی مسلمان کو وہاں ایک گھونٹ پلایا جہاں پانی نہ ملتا ہو تو اس نے گویا اسے زندگی بخشی۔''

عوام کا قومی وسائل سے اِستفادے کا حق

اسلامی معاشرے میں اجتماعی مفاد کو انفرادی فائدے پر ترجیح دی گئی ہے۔ معاشرے کے ہر فرد کے لیے مساوی معاشی مواقع کی تخلیق اور ہر فرد کے لیے معاشی وسائل سے متمتع ہونے کو ممکن بنانے کے لیے ہر فرد کو قومی وسائل سے استفادے کا مساوی حق دیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات اس امر کی اجازت نہیں دیتیں کہ کوئی ایک شخص جملہ وسائل پر قابض ہو کر دیگر افرادِ معاشرہ کے لیے قومی وسائل سے استفادے کی راہ کو مسدود کر دے۔ آپ ﷺ کی اس تعلیم پر عمل کی نظیر ہمیں حضرت عمر فاروق ؓ کے حضرت بلال بن حارث المزنی ؓ سے زائد از ضرورت زمین کے واپس لینے سے ملتی ہے۔ بلال بن حارث مزنیؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے زمین طلب کی۔ آپ ﷺ نے انہیں وسیع زمین عطا کر دی۔ جب حضرت عمر ؓ خلیفہ منتخب ہوئے' تو انہوں نے بلالؓ سے کہا: اے بلال! آپ نے حضورِ

اکرم ﷺ سے کافی زمین طلب کی تھی' رسول اللہ ﷺ نے وہ زمین آپ کو عطا کر دی' کیونکہ آپ ﷺ سے جو بھی سوال کیا جاتا تھا آپ ﷺ کبھی انکار نہ فرماتے تھے۔ اب جو زمین آپ کے پاس ہے آپ وہ ساری آباد نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا: ہاں ایسا ہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: جتنی آپ آباد کر سکیں وہ آپ رکھ لیں اور جو آپ آباد نہ کر سکیں وہ ہمیں دے دیں' ہم وہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیں گے۔ بلالؓ بولے: میں تو اس کے لیے تیار نہیں ہوں' کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو آپ کو کرنا ہوگا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان سے وہ زمین لے لی جسے وہ آباد نہیں کر سکتے تھے اور اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

غلام کے حقوق

اسلام کو غلامی وراثت میں ملی۔ ظہورِ اسلام کے وقت کے حالات کے پیش نظر اسے یک لخت ختم کر دینا ممکن نہ تھا' تاہم آپ ﷺ نے ایسے احکامات جاری فرمائے اور غلاموں کے حقوق کے بارے میں ایسی ہدایات دیں جن سے بتدریج غلامی کا خاتمہ ہو گیا۔ ذاتی طور پر آپ نے غلام سازی کے عمل کو روکا اور پہلے سے موجود غلاموں کی آزادی اور معاشرے میں ان کے باوقار مقام کے لیے اپنے عمل مبارک سے مثال قائم فرمائی۔

آج کے جدید تہذیبی ارتقاء کے دور میں اس امر کا تصور بھی محال ہے کہ صدیوں پہلے کے عرب معاشرے میں غلام کو اتنے حقوق دیے جا سکتے تھے۔ یہ صرف مسلم معاشرہ تھا جہاں غلام کو برابر اور مساوی انسانی حقوق حاصل ہوئے' ورنہ دیگر دنیا میں دورِ حاضر تک غلاموں کی صورتِ حال ابتری کا شکار تھی۔ برطانیہ میں انسدادِ غلامی کا بل ۱۷۸۸ء میں Wilberforce نے پارلیمنٹ میں پیش کیا اور اسے منظور کر کے قانون بننے میں ۱۹ سال لگ گئے۔ ۱۷۹۶ء میں ایوانِ عام (House of Commons) نے بل پر خطاب کرتے ہوئے کہا:

"Nothing I am persuaded could tend more to render that Negroes on the plantations discontented than an assurance that their labours were not be all eviated by the arrival of assistance."

''میں نہیں سمجھتا کہ نوآبادیوں میں غلاموں کو اس سے زیادہ کوئی بات پریشان کر سکتی ہے کہ امداد آنے پر ان کی محنت میں کمی نہ آئے گی۔''

۱۸۰۵ء میں General Gascoyne نے بل کی مخالفت کرتے ہوئے کہا:

"How impolitic than it is to raise doubts and

questions in their (the slaves') minds upon the subject of emancipation, for to that this question ultimately leads and how pregnant with danger is such conduct to our colonial interests and possessions."

''انسدادِ غلامی کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے سے زیادہ غیر مہذّب امر کیا ہوسکتا ہے! کیونکہ یہ سوال بالآخران بھاری خطرات کا باعث بنتا ہے جو ہمارے نوآبادیاتی مفادات واملاک کی تباہی پر منتج ہوں گے۔''

۱۸۰۶ء میں Sir Robert Peel نے غلاموں کی خرید وفروخت کے کاروبار کو برطانیہ کے لیے جائز اور درست قرار دیتے ہوئے کہا:

"It is okay for Britian to carry on this slave trade, it would not be okay for its rivals to do so. The slave trade in other hands would be infinitely to the disadvantage of Africa in point of humanity."

''غلاموں کی خرید وفروخت کا کاروبار برطانیہ کے لیے درست' مگر اس کے حریفوں کے لیے ناجائز ہے' کیونکہ مخالف ممالک کے ہاتھوں غلاموں کی تجارت کو جائز قرار دینا انسانی بنیادوں پر افریقہ کے لیے غیر محدود طور پر نقصان دہ ہے۔''

الغرض کم وبیش ۱۹ سال بعد انسدادِ غلامی کا قانون برطانوی ایوان نمائندگان (House of Representatives) میں منظوری حاصل کر سکا۔ امریکہ میں بھی ۱۸۶۳ء میں ابراہام لنکن (Abraham Lincon) کے ''اعلانِ آزادی'' (emancipation proclamation) کے بعد ہر غلامی کا خاتمہ ہوسکا۔

جب کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے غلامی کے خاتمے کے لیے غلاموں کو آزاد کرنے کی ابتدا فرمائی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَعْتَقَ رَقَبَةً مُسْلِمَةً اَعْتَقَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ حَتّٰى فَرْجَهٗ بِفَرْجِهٖ)) (۱۵)

''جو مسلمان غلام کو آزاد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے اس کا عضو آگ سے آزاد فرمائے گا' حتیٰ کہ شرم گاہ کے بدلے شرم گاہ۔''

آپ ﷺ نے غلام اور ذاتی ملازمین کو معاشرے میں باوقار مقام عطا کرنے کے لیے مختلف حقوق عطا فرمائے۔

عزتِ نفس کا حق: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَهٗ حَدًّا لَمْ يَاْتِهٖ اَوْ لَطَمَهٗ فَاِنَّ كَفَّارَتَهٗ اَنْ يُّعْتِقَهٗ)) (۱۶)

''جو اپنے غلام کو ناکردہ جرم کی سزا دے یا اسے طمانچہ مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کردے۔''

رہن سہن میں مساوات کا حق: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَيْدِيْكُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللّٰهُ اَخَاهُ تَحْتَ يَدِهٖ فَلْيُطْعِمْهُ مِنْ طَعَامِهٖ وَلْيُلْبِسْهُ مِنْ لِبَاسِهٖ وَلَا يُكَلِّفُهٗ مَا يَغْلِبُهٗ، فَاِنْ كَلَّفَهٗ مَا يَغْلِبُهٗ فَلْيُعِنْهُ)) (۱۷)

جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے قبضے میں دے دیا وہ تمہارے بھائی ہیں۔ پس جسے اللہ اس کے بھائی کا مالک بنا دے اسے چاہیے کہ اسے اس میں سے کھلائے جو خود کھائے اور اس سے پہنائے جو خود پہنے۔ اور اس کام کی تکلیف نہ دے جو اس پر غالب آجائے اور اگر غالب کام کی تکلیف دے تو اس میں اس کی مدد کرے۔''

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک خزانچی آیا تو آپؓ نے اس سے فرمایا کہ تم نے غلاموں کو ان کا کھانا دے دیا؟ بولا نہیں۔ آپؓ نے فرمایا: ''جاؤ انہیں کھانا دے دو' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ انسان کے لیے یہی گناہ بہت ہے کہ مملوک سے اس کا کھانا روکے۔'' (۱۸)

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تمہارے غلاموں سے جو تمہارے موافق ہو' تو اس میں سے اسے کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور پہناؤ اس سے جو خود پہنتے ہو' اور جو موافق نہ ہو اسے بیچ دو اور اللہ کی مخلوق کو عذاب نہ دو۔'' (۱۹)

ناقابل برداشت مشقت سے تحفظ کا حق: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لِلْمَمْلُوْكِ طَعَامُهٗ وَكِسْوَتُهٗ وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا يُطِيْقُ))(۲۰)

''غلام کے لیے اس کا کھانا اور کپڑا ہے' اور اسے اس قدر کام کی تکلیف نہ دو جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو۔''

تشدّد سے تحفّظ کا حق: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی: ''اے ابومسعود! سوچو کہ اللہ تم پر اس سے زیادہ قادر ہے جتنے تم اس پر ہو!'' میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ اللہ کی راہ میں آزاد ہے۔ تب حضور ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم یہ نہ کرتے تو تم کو آگ جلاتی یا آگ پہنچتی۔''

تعلیم و تربیت کا حق: حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے سنا کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

((ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ: الرَّجُلُ تَكُوْنُ لَهُ الْاَمَةُ فَيُعَلِّمُهَا فَيُحْسِنُ تَعْلِيْمَهَا وَيُؤَدِّبُهَا فَيُحْسِنُ اَدَبَهَا ' ثُمَّ يُعْتِقُهَا فَيَتَزَوَّجُهَا فَلَهٗ اَجْرَانِ وَمُؤْمِنُ اَهْلِ الْكِتَابِ الَّذِىْ كَانَ مُؤْمِنًا ثُمَّ اٰمَنَ بِالنَّبِيِّ ﷺ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَالْعَبْدُ الَّذِىْ يُؤَدِّىْ حَقَّ اللّٰهِ وَيَنْصَحُ لِسَيِّدِهٖ))(۲۱)

''تین آدمی ایسے ہیں جنہیں دُگنا اجر ملے گا: (۱) وہ آدمی جس کے پاس لونڈی ہو' پس اسے تعلیم دے اور اچھی تعلیم دے' پھر اسے ادب سکھائے' پھر آزاد کر کے اس سے ازدواجی رشتہ قائم کر لے' تو اس کے لیے دُگنا اجر ہے۔ (۲) اہلِ کتاب میں سے وہ مؤمن جو پہلے بھی مؤمن تھا اور اب حضور اکرم ﷺ پر بھی ایمان لے آیا تو اس کے لیے بھی دوہرا اجر ہے۔ (۳) وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتے ہوئے اپنے آقا کا خیرخواہ بھی ہے۔''

امامت و سیاست کا حق: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''لوگوں کی امامت وہ شخص کرے جو ان سب میں کتاب اللہ کی قرأت زیادہ جانتا ہو اور بے وجہ غلام کو جماعت سے نہ روکا جائے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

''سالم مولیٰ ابوحذیفہ مہاجرین اولین اور نبی اکرم ﷺ کے دیگر اصحاب کی مسجد قبا میں امامت کا فریضہ ادا کیا کرتے تھے اور مقتدیوں میں حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت ابوسلمہ' حضرت زید اور حضرت عامر بن ربیعہ (رضی اللہ عنہم) بھی ہوتے۔''

الغرض آپ ﷺ نے ایسی معاشرتی و سماجی روایت کی بنیاد رکھ دی' جس سے غلاموں کا سماجی و معاشرتی مرتبہ و رتبہ بڑھ گیا اور بتدریج انسانی شعور نے غلامی کے ادارے کے کلی قلع قمع کو قبول کر لیا اور آج صفحۂ ہستی سے انسانی تکریم کے منافی اس (institution) کا خاتمہ ہو گیا۔

قیدیوں کے حقوق

قرآنِ مجید نے قیدیوں سے حسن سلوک کی تعلیم دی۔ کیونکہ اسلام میں کوئی بھی امر مخفی اذیت و تکلیف رسانی کے لیے روا نہیں' بلکہ اصل مقصود خیر و معرفت کا فروغ ہے۔ آپ ﷺ نے قیدیوں سے حسن سلوک کی تعلیم دے کر اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ حسن سلوک سے قیدیوں کی اصلاح احوال اور ان کے اسباب قید کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔

قرآنِ مجید نے قیدیوں کے اس حق کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝۸ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝۹﴾ (الدھر)

''اور وہ کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور قیدی کو۔ (اور کہتے ہیں کہ) ہم تو صرف اللہ کے چہرے کی خاطر تمہیں کھلاتے ہیں' نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔''

آپ ﷺ نے غزوۂ بدر میں قید ہو کر آنے والے قیدیوں سے حسن سلوک کی نظیر اپنے اُسوۂ حسنہ سے قائم فرمائی۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ اُتِىَ بِاُسَارٰى وَاُتِىَ بِالْعَبَّاسِ وَلَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ ثَوْبٌ فَنَظَرَ النَّبِيُّ ﷺ لَهٗ قَمِيْصًا فَوَجَدُوْا قَمِيْصَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اُبَيٍّ يَقْدِرُ عَلَيْهِ فَكَسَاهُ النَّبِيُّ ﷺ اِيَّاهُ (۲۲)

''جب جنگ بدر ہوئی تو کچھ لوگ قید کر کے لائے گئے جن میں عباس (بن عبدالمطلب) بھی تھے اور ان کے جسم پر کپڑا نہ تھا' پس حضور نبی اکرم ﷺ ان کے لیے قمیض تلاش کرنے لگے۔ لوگوں نے عبداللہ بن اُبی کی قمیض تلاش کر کے پیش کی جو ان کے جسم پر پوری آئی' حضور اکرم ﷺ نے وہی قمیض انہیں پہنائی۔''

الغرض انسانی معاشرے اور سماج کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کا احاطہ حضور نبی اکرم ﷺ

نے انسانی حقوق کی تعلیم وتلقین کرتے ہوئے نہ کیا ہو' انسانی تہذیب اپنے ارتقاء کی ہر منزل پر بنیادی حقوق کے حوالے سے سیرتِ نبوی ﷺ سے اخذِ ہدایت کی محتاج رہے گی۔

حواشی

(۱) صحیح البخاری' کتاب البیوع' باب کسب الرجل وعمله وبیده: ح ۲۰۷۲۔

(۲) شعب الایمان للبیهقی: ح ۸۷٤۱ ۔

(۳) مشکاة المصابیح' کتاب البیوع'باب الکسب وطلب الحلال'ح۲۷۱٤۔

(٤) صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب ما ذکر عن بنی اسرائیل: ح۳٤٥۱۔

(٥) صحیح مسلم' کتاب المساقاة' باب فضل إنظار المعسر: ح۱٥٦۲۔

(٦) صحیح مسلم' کتاب المساقاة' باب فضل إنظار المعسر: ح۱٥٦۳۔

(۷) مسند احمد: ح۱۱٥٦٥۔

(۸) سنن الکبری للبیهقی: ح ۱۱٤۳۲۔

(۹) سنن ابن ماجه' کتاب الرهون' باب أجر الأجراء: ح ۲٤٤۳۔

(۱۰) صحیح البخاری' کتاب الأدب' باب حسن الخلق والسخاء: ح ٦۰۳۸۔

(۱۱) صحیح البخاری' کتاب العتق' باب اذا اتاه خادمه بطعامه: ح ۲٥٥۷۔

(۱۲) صحیح مسلم' کتاب الأیمان' باب إطعام المملوك مما یاکل: ح ۱٦٦۳۔

(۱۳) سنن ابی ابوداود' کتاب النوم' باب فی حق المملوك: ح ٥۱٦٤۔

(۱٤) سنن ابن ماجه' کتاب الرهون' باب المسلمون شرکاء فی ثلاث: ح ۲٤۷٤۔

(۱٥) صحیح البخاری' کتاب کفارات الأیمان' باب قول الله تعالی: ﴿أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ﴾: ح ٦۷۱٥۔

(۱٦) صحیح مسلم' کتاب الأیمان' باب صحبة المماليك: ح ۱٦٥۷۔

(۱۷) سنن الترمذی' أبواب البر والصلة' باب ما جاء فی الاحسان الی الخدم: ح ۱٦٤٥۔

(۱۸) صحیح مسلم' کتاب الزکوٰة' باب فضل النفقة علی العیال: ح۹۹٦۹۔

(۱۹) سنن ابی داوٗد' کتاب النوم' باب فی حق المملوك: ح۵۱٦۱۔

(۲۰) صحیح مسلم' کتاب الأیمان' باب إطعام المملوك مما یأکل: ح۱٦٦۲۔

(۲۱) صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر' باب فضل من أسلم من اهل الکتابین: ح۳۰۱۱۔

(۲۲) صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر' باب الکسوة للأساری: ح۳۰۰۸۔

فلسفۂ انقلاب کے نقطۂ نظر سے

سیرت النبی ﷺ کا اجمالی مطالعہ

منہجِ انقلابِ نبویؐ

غارِ حرا کی تنہائیوں سے لے کر

مدینۃ النبیؐ میں اسلامی ریاست کی تشکیل

اور اس کی بین الاقوامی توسیع تک'

اسلامی انقلاب کے مراحل' مدارج اور لوازم پر مشتمل

بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم **ڈاکٹر اسرار احمد** رحمۃ اللہ علیہ

کے دس خطباتِ جمعہ کا مجموعہ

صفحات: 375 قیمت اشاعت خاص:400روپے اشاعت عام:200روپے

"منہجِ انقلابِ نبویؐ" کے مباحث کی تلخیص پر مشتمل کتابچہ

رسولِ انقلاب ﷺ کا طریقِ انقلاب

صفحات: 60 قیمت اشاعت خاص:50روپے اشاعت عام:30روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 3-35869501

قتلِ مسلم

امیر جان حقانی ☆

انسانی جان کو اللہ تعالیٰ نے بہت قابلِ احترام ٹھہرایا ہے اور کسی انسان کی جان کا ناحق لے لینا' خونِ ناحق بہانا' بہت بڑا جرم ہے' بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ترتیب میں یہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ﴾ (الا سراء:۳۳)

''اور مت قتل کرو اُس جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ''

اگر کسی معاشرے میں ایک دوسرے کی جان کا احترام باقی نہ رہے تو گویا تمدن کی جڑوں پر کلہاڑا رکھ دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ تمدن کی اصل اساس اور جڑ تو یہی احترامِ جان ہے۔

سورۃ المائدۃ میں ہابیل اور قابیل کا واقعہ بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿.....مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ﴾ (آیت ۳۲)

''.....جس کسی نے کسی ایک انسان کو بھی قتل کر دیا' جان کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے (سے روکنے) کے سوا (کسی اور وجہ سے) تو اس نے گویا پوری نوعِ انسانی کو قتل کر دیا' اور جس نے کسی ایک انسان کو زندگی دی (اُس کی جان بچائی) تو اس نے گویا پوری نوعِ انسانی کی جان بچائی''

جب کہ کسی مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا قتل اس سے بھی بڑھ کر جرم ہے جس پر عرشِ الٰہی لرز اٹھتا ہے —— آج ملک کے موجودہ حالات کو دیکھ کر دل کڑھتا ہے۔ چہار سو قتلِ مسلم عام ہو چکا ہے۔ اس مضمون میں وہ آیات اور احادیث پیش کی جا رہی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اور آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کے ارشادات ہیں کہ ایک مسلم کا قتل کتنا بڑا ''جرم عظیم'' اور ''گناہ کبیرہ'' ہے۔ سورۃ النساء میں خدائے ذوالجلال کا واضح ارشاد ہے:

☆ لیکچرر: فیڈرل ڈگری کالج گلگت' ایڈیٹر: سہ ماہی ''نصرۃ الاسلام'' گلگت۔
ibshaqanai@gmail.com

﴿وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِیْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا ﴿۹۳﴾﴾

''جو کوئی کسی مسلمان کو عمداً (یعنی قصداً' جان بوجھ کر) قتل کر ڈالے تو اس کی سزا ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے' اللہ ربّ العزت کا غضب ہے' اُس کی لعنت اور پھٹکار ہے' اور ایسے لوگوں کے لیے اللہ نے بڑا دردناک والمناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں نے ایک حدیث نقل کی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یُشِیْرُ اَحَدُكُمْ عَلٰی اَخِیْهِ بِالسِّلَاحِ فَاِنَّهٗ لَایَدْرِیْ لَعَلَّ الشَّیْطَانَ یَنْزِعُ فِیْ یَدِهٖ فَیَقَعُ فِیْ حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ)) (۱)

''تم میں سے کوئی کبھی بھی اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے' کیونکہ اسے کیا معلوم کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے ہتھیار کھینچ لے (اور اسے واقعتاً لگ جائے) پھر وہ (ہتھیار اُٹھانے والا) جہنم کے گڑھے میں جا پڑے۔''

یعنی آپ کے اشارہ کرنے سے تلوار چل گئی اور مسلمان کا خون ناحق ہو گیا تو ایک ایسے فعل کا ارتکاب ہو جائے گا جس کی پاداش عذابِ جہنم ہے۔

قارئین کرام! آپ نے آیت کریمہ اور حدیث مبارکہ ملاحظہ کی کہ اللہ تعالیٰ نے قتلِ مسلم کو کتنا بڑا جرم قرار دیا ہے اور اس کے مرتکب کا انجام جہنم بتایا ہے اور اس پر لعنت و پھٹکار کی ہے۔ اور آپ ﷺ نے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ مسلم کا خون کتنا قیمتی ہے۔ حدیث مذکورہ سے تو واضح ہو جاتا ہے کہ از روئے مذاق یا دل لگی بھی کسی مسلمان بھائی پر اسلحہ اٹھانا' یا اس کو ڈرانے کے لیے کسی بھی قسم کے ہتھیار کا رخ اس کی جانب کرنا یا اشارہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ ہمیں اپنی حالت زار کا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم نے ان تعلیمات کو فراموش کر کے خونِ مسلم کو کتنا ارزاں سمجھ رکھا ہے۔

ایک اور حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(۱) صحیح البخاری' کتاب الفتن' باب قول النبی ﷺ من حمل علینا بالسلاح فلیس منا۔ وصحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب النهی من الاشارة بالسلاح الی مسلم۔

((لَزَوَالُ الدُّنْیَا اَھْوَنُ عَلَی اللّٰہِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ))(۲)

''دنیا کی تباہی کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک بندۂ مسلم کے قتل سے ہلکا ہے۔''

اسی روایت کی تخریج امام نسائیؒ نے ان الفاظ میں کی ہے:

((قَتْلُ الْمُؤْمِنِ اَعْظَمُ عِنْدَاللّٰہِ مِنْ زَوَالِ الدُّنْیَا))(۳)

''اللہ کی نظروں میں تمام دنیا کے نیست و نابود ہو جانے سے بھی بڑھ کر جو چیز ہے وہ ایک ایمان والے کا قتل ہے۔''

قارئین! حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ہاں قتل مسلم ایک کھیل یا مذاق بن چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور نبی کریم ﷺ کے فرمودات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے شرک کے بعد اس سے بڑھ کر کوئی اور گناہ نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے خونِ ناحق سے اپنے ہاتھ رنگین کرے۔ لیکن وطن عزیز پاکستان میں مسلمان مسلمان کے خون کا پیاسا بن چکا ہے۔ روشنیوں کا شہر کراچی غریبوں کے خون سے سرخ ہوگیا ہے۔ کراچی ایک ایسا شہر ہے جہاں پورے ملک کے باسی رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں پورے ملک کے ہر علاقے کے نام سے کالونیاں بنی ہوئی ہیں' مثلاً گلگت کالونی' کشمیر کالونی' پنجاب کالونی' مانسہرہ کالونی' بلوچ کالونی' غرض ہر صوبے کے مختلف علاقوں کے ناموں والی کالونیاں کراچی میں ہیں اور وہاں اس علاقے کے لوگ فروکش ہیں' مگر لسانیت اور علاقائیت کی بنیاد پر روزانہ سینکڑوں بے گناہ لوگوں کو بے دردی سے قتل کر دیا جاتا ہے۔ نہ قاتل کو معلوم کہ وہ بے گناہ کو کیوں قتل کر رہا ہے' نہ مقتول کو اپنے ''جرم'' کی خبر۔ بلوچستان تو مشرفی آمریت کے دور سے مسلسل جل رہا ہے اور جلانے کے لیے ایندھن مہیا کرنے والے کوئی بھی ہوں مگر ماچس کی تیلی سے آگ بھڑکانے والے اپنے ہی مسلمان بھائی ہیں۔ گلگت بلتستان کبھی امن کا گہوارہ ہوا کرتا تھا۔ سالوں بعد کوئی قتل ہوتا تھا' اگر کوئی ذاتی دشمنی میں قتل ہوتا تو قاتل کبھی بھی اپنے آپ کو چھپاتا نہیں تھا بلکہ وہ فخریہ اعلان کرتا کہ جی ہاں' میں نے قتل کر دیا ہے! اس سے دوسرے لوگ اذیت اور خوف و ہراس سے بچ جاتے تھے۔ مگر چند سال سے یہ پرامن علاقہ بھی بے گناہ مسلمانوں کے خون سے رنگین ہے اور خون آشامی کا یہ سلسلہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہا ہے۔ خونیں وارداتیں روز کا

(۲) سنن الترمذی' ابواب الدیات' باب ماجاء فی تشدید قتل المؤمن۔

(۳) سنن النسائی' کتاب تحریم الدم' باب تعظیم الدم۔

معمول بن چکی ہیں۔ گلگت میں بھی قتل و خون کی ہولی کھیلنے کے لیے پلان جو بھی تیار کرتا ہو اور اس کے لیے فنڈنگ کرتا ہو مگر ایک دوسروں کے گلے کاٹنے کی ''خدمت عالیہ'' مقامی لوگ ہی انجام دیتے ہیں۔ پتنگ کی ڈور جہاں کہیں سے بھی ہلائی جائے مگر پتنگ گلگت سے ہی اُڑے گا اور گلگت کا ہی پتنگ کٹے گا' اور کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہواؤں کے دوش پر بکھر جائے گا۔

انتہائی غور سے جائزہ لیا جائے تو یہ سب خدائی فرمودات اور نبوی تعلیمات سے روگردانی کا نتیجہ ہے۔ یہ بات اٹل ہے کہ شریعت اسلامی نے مسلمانوں کی جمعیت و قومیت کی اساس و بنیاد باہمی مؤاخات پر رکھی ہے' یعنی ہر مسلمان کا شرعی رشتہ دوسرے مسلمان سے بھائی کا رشتہ ہے۔ قرآن کریم کا دوٹوک موقف ہے کہ:

﴿.....فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا ۚ﴾(ال عمران: ۱۰۳)

''.....پھر تم اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔''

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ.....﴾(الحجرات: ۱۰)

''مؤمن تو بھائی بھائی ہیں' پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو.....''

یعنی مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں' پس جب دو مسلمان بھائیوں میں رنجش پیدا ہو جائے تو ان کے مابین صلح کرا دو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا قومی سیرت و کردار جا بجا بیان فرمایا ہے کہ وہ آپس میں بہت نرم دل جبکہ کفار کے مقابلے میں بہت سخت ہوتے ہیں۔

سورۃ المائدۃ میں اہلِ ایمان کے مطلوبہ اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿.....اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ.....﴾(آیت ۵۴)

''.....اہلِ ایمان کے حق میں نرم اور کافروں کے مقابل سخت.....''

اور سورۃ الفتح میں بھی اسی قسم کا ارشاد ہے:

﴿.....اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ.....﴾(آیت ۲۹)

''.....کفار کے مقابلے میں بہت سخت مگر آپس میں رحم دل.....''

دونوں آیات کا مفہوم بتلاتا ہے کہ مسلمان میں جس قدر بھی نرمی و محبت ہے مسلمانوں کے ساتھ ہے' اور جس قدر بھی سختی اور درشتی ہے اغیار یعنی کفار کے لیے ہے۔ ایک کامل مسلمان کی علامت یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ نرم بھی ہے اور سب سے زیادہ سخت بھی' یعنی اپنوں کے لیے ابریشم اور غیروں کے لیے سخت جان۔ مسلمانوں کے پاس محبت بھی (باقی صفحہ 98 پر)

مسجد کی عظمت' ضرورت اور اہمیت

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

مسجد اسلامی معاشرے میں وہ جگہ ہے جہاں مسلمان جماعت کی صورت میں ایک امام کے پیچھے نماز پنجگانہ ادا کرتے ہیں ۔ ایک دن میں پانچ وقت نماز پڑھنا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔ اسلام میں نماز کی اہمیت اظہر من الشمس ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے۔'' (صحیح مسلم) اسلام اجتماعیت پر زور دیتا ہے' لہٰذا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نماز ادا کرنے کے لیے مسجد جائے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے۔ مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کی اہمیت اس بات سے واضح ہے کہ ہر نماز کے وقت مسجد میں اذان بلند کی جاتی ہے' جو اس بات کا اعلان ہوتا ہے کہ قریبی مسجد میں نماز کی جماعت تیار ہے' لوگ وضو کر کے مسجد کی طرف چل پڑیں۔ اذان میں ''حی علی الصلوٰۃ'' کا یہی مطلب ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے' لوگ نماز کی باجماعت ادائیگی کے لیے مسجد کی طرف چل پڑیں۔

مسجد مسلمان آبادی کے اندر وہ مرکزی مقام ہے جہاں قرب و جوار کے مسلمان جماعت کے ساتھ ایک دن میں پانچ مرتبہ حاضر ہوتے اور نماز ادا کرتے ہیں۔ لہٰذا مسجد کی تعمیر کو بہت بڑے ثواب کا کام بتایا گیا ہے' بلکہ اس کی تعمیر کرنے والے کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی اللہ (کی رضا اور خوشنودی) کے لیے مسجد تعمیر کرائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں شاندار محل تعمیر فرمائیں گے۔'' (صحیحین)

مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے' مسلمان وہاں نماز پڑھتے' سجدہ و رکوع کرتے اور اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس طرح نمازی مسجد میں اللہ کے مہمان ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا میزبان ہوتا ہے۔ ربّ کریم ہر دفعہ کی حاضری پر جنت میں نمازی کے لیے مہمانی کا خاص سامان تیار کراتا ہے۔ کنز العمال میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان مذکور ہے:

''مسجدیں اللہ کے گھر ہیں اور ان میں حاضر ہونے والے اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے ملاقاتی ہیں' اور جس کی ملاقات کو کوئی آئے اس پر حق ہے کہ وہ آنے والے ملاقاتی کا اکرام کرے اور اس کی خاطر داری کرے۔'' (بحوالہ معارف الحدیث)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندہ جس وقت بھی اور جتنی دفعہ بھی' صبح کو یا شام کو' اپنے گھر سے نکل کر مسجد کی طرف جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے واسطے جنت کی مہمانی کا سامان تیار کراتا ہے۔'' (صحیحین)

مسجد میں لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں' لہٰذا مسجد کے ماحول کو پاکیزہ' صاف ستھرا اور دلکش بنانے کی ترغیب دی گئی ہے اور ہر اُس فعل سے روکا گیا ہے جو نمازیوں کے لیے کسی بھی اعتبار سے تکلیف دہ ہو۔ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ مسجد میں بیٹھا اونچی آواز میں قرآن مجید پڑھے یا ذکر و اذکار میں مشغول ہو جبکہ کچھ دوسرے لوگ نماز پڑھ رہے ہوں۔ مسجد میں آوازیں بلند کرنا اور دنیا کی باتیں کرنا تو بالکل جائز نہیں —— اور اس شخص کے لیے سخت وعید ہے جو مسجد کے ماحول کو نمازیوں کے لیے ناسازگار بنائے۔ ایسے شخص کو بہت بڑا ظالم کہا گیا ہے اور اس کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۱۴﴾ (البقرۃ)

''اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ لیا جائے وہاں نام اس کا اور کوشش کی ان کے اجاڑنے میں۔ ایسوں کو لائق نہیں کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے۔ ان کے لیے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔''

مسجدوں کی عظمت کو ذہن میں رکھتے ہوئے انہیں صاف ستھرا بھی رکھا جائے اور نمازیوں کے لیے ہر ممکن سہولت اور دلکشی کا سامان کیا جائے۔ مسجد کے اردگرد بھی کسی طرح کا کوڑا کرکٹ نہ ڈالا جائے اور گندگی کے ڈھیر وہاں برداشت نہ کیے جائیں کہ یہ نمازیوں کے لیے اذیت کا باعث ہوں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے محلوں میں مسجدیں بنانے کا اور ان کی صفائی اور خوشبو کے استعمال کے اہتمام کا حکم دیا۔ (ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ)

فرض نماز اکیلے بلا جماعت گھر پر ادا کرنے کو پسند نہیں کیا گیا' بلکہ ایسا کرنے والوں پر آپؐ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے دل میں آتا ہے کہ نماز کا حکم دوں اور نماز کھڑی ہو تو پھر میں ان لوگوں کے گھروں میں جاؤں جو مسجد میں آکر باجماعت نماز میں شریک نہیں ہوتے اور ان کو آگ لگا دوں (یعنی ان کے اپنے گھروں میں موجود ہوتے ہوئے ان کے گھروں کو جلا دوں)''۔ (بخاری)

نماز باجماعت ادا کرنے کا سخت تاکیدی حکم ہے۔ اگر آدمی سفر میں ہو یا کسی ایسی جگہ ہو جہاں کوئی مسجد نہ ہو تو وہاں بھی نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم ہے۔ اگر ایسی جگہ تین افراد اکٹھے ہوں تو بھی انہیں اپنی نماز اکیلے اکیلے نہیں' بلکہ باجماعت نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ حضرت ابو درداءؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''جو تین آدمی کسی بستی یا جنگل میں ہوں اور پھر وہ باجماعت نماز نہ پڑھیں تو شیطان ان پر غالب آجاتا ہے۔ لہٰذا تم جماعت کی پابندی اپنے اوپر لازم کرلو' کیونکہ بھیڑیا اُس بکری کو کھا جاتا ہے جو ریوڑ سے دور ہو۔'' (ابوداؤد)

نماز کے لیے مسجد میں جانا بڑا فضیلت کا عمل ہے۔ صحیحین کی ایک حدیث میں' جس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں' رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ سات قسم کے آدمی ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دے گا جس دن کہ اس کے سایہ رحمت کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا۔ ان افراد میں سے ایک وہ مردِ مؤمن ہے جس کا حال یہ ہے کہ مسجد سے باہر جانے کے بعد بھی اس کا دل مسجد ہی میں اٹکا رہتا ہے۔

مسجد وہ جگہ ہے جو مؤمن کو سکون و اطمینان مہیا کرتی ہے۔ وہ مسجد میں گھریلو ماحول سے الگ ہوتا ہے' نہ وہاں بچوں کا شور وغل نہ گھریلو باتیں۔ وہاں تو نماز ہوتی ہے یا نماز کے انتظار میں بیٹھنا ہوتا ہے۔ نماز کے انتظار میں اس طرح بیٹھنا بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ آدمی نماز میں ہو۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دے دیجیے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی رہبانیت نماز کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹھنا ہے۔ (شرح السنہ)

مسجد ایسا بابرکت مقام ہے جہاں بستی کے مسلمان مل کر نماز ادا کرتے ہیں' جس سے نماز کا ثواب گھر میں یا بازار میں پڑھی جانے والی نماز سے پچیس گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔ پھر جب تک بندہ مسجد میں نماز پڑھتا ہے اُس وقت تک فرشتے برابر اُس کے حق میں عنایت اور رحمت

کی دعا کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں: اے اللہ! اپنے اس بندے پر خاص عنایت فرما۔ اس پر رحمت فرما۔ نمازی اس دعا کا مستحق رہتا ہے جب تک وہ اپنے ہاتھ یا زبان سے کسی کو ایذا نہ پہنچائے یا اس کا وضو نہ ٹوٹ جائے۔ (صحیح بخاری)

جب بندہ نماز باجماعت کے ارادے سے گھر سے مسجد کی طرف چل پڑتا ہے تو اس کے لیے ہر قدم پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک برائی معاف کردی جاتی ہے۔ (نسائی)

مسجدیں اللہ کے ذکر کا محل ہوتی ہیں۔ انہیں بیت اللہ سے ایک خاص نسبت ہے۔ انسانی بستیوں میں بازار اور منڈیاں بھی ہوتی ہیں' جہاں جاکر عموماً انسان غافل ہو جاتے ہیں' وہاں منکرات و معصیات کی کثرت ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شہروں اور بستیوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ان کی مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ مبغوض (ناپسند) ان کے بازار ہیں''۔ (صحیح مسلم)

مسجد کو اللہ کا گھر کہا گیا ہے' اس لیے اس کے آداب کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ قبل ازیں کچھ آداب کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ مسجد میں دنیا کے حالات پر تبصرہ کرنا اور اونچا بولنا منع ہے۔ چھوٹے بے سمجھ بچوں کو مسجد میں نہ لے جائیں جنہیں مسجد کے احترام کا شعور نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ وہاں پیشاب یا پاخانہ کردیں یا تھوک پھینک دیں۔ البتہ ہوشیار اور سمجھ دار بچوں کو اپنے ساتھ مسجد میں لے کر جائیں تاکہ چھوٹی عمر سے ہی بچوں میں نماز کا شوق پیدا ہو۔ بچوں کے ساتھ مسجد میں نرمی' محبت اور شفقت کا سلوک کریں۔ مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا منع ہے۔ مسجد میں ڈرتے اور لرزتے ہوئے جائیں' داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں اندر رکھیں اور مسجد سے باہر نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں باہر رکھیں۔ داخل ہوتے وقت اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ پڑھیں اور نکلتے وقت اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ کہیں۔

مسجد کی تمام چیزیں موقوفہ ہیں' ان سے ذاتی فائدہ اٹھانا درست نہیں۔ یہ بھی درست نہیں کہ مسجد میں کوئی اپنا موبائل چارج کرے۔ اگر ایسا کرنا ضروری ہو تو اندازاً اتنی رقم مسجد میں دے دی جائے۔ مسجد میں داخل ہوں تو اپنا موبائل بند کردیں تاکہ اس کی گھنٹی سے نمازی پریشان نہ ہوں اور ان کی نماز میں خلل واقع نہ ہو۔

❁❁❁

پروفیسر طارق مسعود

ایک خوبصورت انسان، صورتاً بھی اور سیرتاً بھی

پروفیسر خورشید عالم☆

ابھی ابھی انہی کنجوں میں اس کے سائے تھے
ابھی ابھی تو وہ تھا ان برآمدوں میں یہاں!

قرآن کالج کی راہداریوں میں گھومنے والا ہنستا مسکراتا چہرہ دیکھتے دیکھتے موت کی آغوش میں سو گیا اور اس دیس سدھار گیا جہاں جانے والے لوٹ کر نہیں آتے۔ اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

پروفیسر طارق مسعود مرحوم نے قرآن کالج میں بطور معاون ناظم کالج ۹ نومبر ۲۰۰۲ء میں ملازمت کا آغاز کیا۔ ۱۵ مارچ ۲۰۰۳ء کو ان کی انتظامی صلاحیت کی وجہ سے ان کو کالج کا پرنسپل مقرر کر دیا گیا۔ ان سے پہلے مرحوم احمد شفیع چودھری صاحب کی وفات کے بعد اگر میں کہوں کہ کالج میں طوائف الملوکی کا دور تھا تو مبالغہ نہ ہوگا۔ طارق مسعود صاحب کے زمانہ میں طالب علموں کی تعداد بڑھی، سائنس اور کمپیوٹر کلاسوں کا اجراء ہوا۔ یوں کہیے کہ کالج صحیح معنوں میں کالج بن گیا۔ اس کالج کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ آرٹس کے طلبہ کے لیے عربی لازمی تھی۔ اس کے علاوہ قرآن حکیم کی سورۃ النور سب طلبہ کو تفسیر کے ساتھ پڑھائی جاتی تھی۔ علومِ اسلامیہ کا لیکچر روزانہ سب طالب علموں کو دیا جاتا تھا۔ تین چار برس میں بھی طارق مسعود صاحب کی زیرِ سرپرستی پڑھاتا رہا ہوں۔ بتاتا چلوں کہ جب میں گورنمنٹ کالج شالیمار میں پڑھاتا تھا تو طارق مسعود وہاں پڑھتے تھے۔ اسی لیے وہ ایک استاد کی طرح میرا احترام کرتے تھے۔ بہت اچھے پرنسپل اور بہت اچھے انسان تھے۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ انہی کے دور میں ۲۰۰۶ء میں مجھے کالج سے فارغ کر دیا گیا۔ اس

☆ سابق استاذ، قرآن کالج

سلسلہ میں میرا دل ان کے بارے میں میلا ہو گیا۔ اپنی طبعی گرم مزاجی کی وجہ سے میں نے ان سے بول چال بند کر دی۔ درس و تدریس کا سلسلہ ٹوٹنے کے بعد میں کالج کم از کم ہفتہ میں ایک روز ضرور جاتا تھا۔ کیوں جاتا تھا؟ ایک تو اپنے مرحوم اور مخلص دوست مسعود اقبال سے ملنے کے لیے جن کے پہلو میں بیٹھ کر مجھے سکون ملتا تھا۔ دوسرے لائبریری میں کوئی کتاب دیکھنے اور اپنے فاضل رفیق کار حافظ نذیر احمد ہاشمی سے علمی تبادلہ خیال کرنے کے لیے۔ ایک دن کالج کی راہداری میں چلتے چلتے کسی نے پیچھے سے بڑے پیار سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا، مڑ کر دیکھا تو طارق مسعود تھے۔ کہنے لگے میری کوئی بات آپ کو بری لگی ہے تو معذرت طلب ہوں۔ میرا سینہ آئینے کی طرح صاف ہو گیا۔ تیز مزاج لوگ ٹھنڈے بھی جلدی ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد جب بھی کالج جانا ہوا طارق مسعود صاحب کے کمرے میں تھوڑی دیر ضرور بیٹھتا۔ وہ گھر سے لائے ہوئے پرہیزی سینڈوچ گرم گرم چائے کے ساتھ پیش کرتے۔ جب بھی میں ان کے کمرے میں گیا ان کو انٹرنیٹ پر قرآن حکیم کا مطالعہ کرتے پایا۔ قرآن حکیم کے مسلسل مطالعہ سے ان کا ذہن وسیع ہو چکا تھا۔ ان کا مطالعہ کسی خاص مکتبہ فکر تک محدود نہ تھا۔ قرآنی آیات پر بات کرتے کرتے ایسے لطیف اور دقیق نکتے بیان کرتے کہ مجھے محسوس ہوتا کہ میرے علم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ انگریزی کا استاد جب قرآن ذوق و شوق سے پڑھے گا تو نئے نئے نکتے تو پیدا ہوں گے۔ میں جب عربی ادب کا حوالہ دیتا تو وہ انگریزی ادب سے حوالہ دے کر میرے علم میں اضافہ کرتے، اللہ ان کو جزائے خیر دے۔

پھر نہ جانے کیا ہوا، یکم فروری ۲۰۰۷ء سے یہ ہنستا بستا چمن اجڑ گیا۔ کالج کی بساط لپیٹ دی گئی اور مرحوم مسعود اقبال اور حافظ نذیر احمد ہاشمی صاحب کے سوا تمام سٹاف فارغ کر دیا گیا۔ ڈیڑھ سال بعد کالج میں نیا نظامِ تعلیم رائج ہونے سے اسے ایک نیا جنم مل گیا۔ قرآن کالج کی جگہ ''کلیۃ القرآن'' نے لے لی۔ میں نام کے اعتبار سے قرآن کالج اور کلیۃ القرآن کے فرق کو سمجھ نہیں پایا۔ کالج انگریزی زبان کا لفظ ہے جو تعریب کے بعد کلیۃ بن گیا۔ معنوں میں قطعی کوئی فرق نہیں۔ سعودی عرب میں آرٹس کالج کو کلیۃ الادب، سائنس کالج کو کلیۃ العلوم اور میڈیکل کالج کو کلیۃ الطب کہا جاتا ہے۔ درسِ نظامی کے دینی مدرسے پر لفظ 'کلیۃ' کا اطلاق 'کالج' کی تعریب ہی تو ہے۔

ایسا کیوں ہوا؟ محترم ڈاکٹر صاحبؒ کے ذہن میں ان مسلمان مفکّرین کا نقشہ تھا جو اپنی

اجتہادی صلاحیت کی وجہ سے مسلمانوں کی رہنمائی کرتے تھے۔ وہ اس کے لیے جدید و قدیم کے حسین امتزاج کو ضروری سمجھتے تھے۔ بات بھی ٹھیک ہے‘ لیکن ہم نے اب جو طریقہ اختیار کیا ہے اس سے یہ بلند ہدف میری ناقص رائے میں شاید پورا نہیں ہوسکتا۔ درسِ نظامی کو بنیاد بنا کر میٹرک‘ ایف اے یا بی اے کرنے سے اس ہدف کی طرف پیش قدمی آسان کام نہیں۔ اس ہدف کے حصول کے لیے سب طلبہ کو ایف اے تک ایک جیسی تعلیم حاصل کرنا ہوگی اور اس کے بعد تخصیص کا دور آئے گا۔ کوئی طب میں تخصیص کرے گا‘ کوئی انجینئرنگ میں اور کوئی علم دین میں۔ علم دین میں تخصیص حاصل کرنے والے مسلمانوں کی رہنمائی کے قابل ہوں گے‘ واللہ اعلم!

بہرکیف ’’کلیۃ القرآن‘‘ بننے کے بعد بھی میرا کالج آنا جانا لگا رہا۔ تبدیل شدہ ماحول اور وضع قطع میرے مزاج سے ہم آہنگ نہ تھی۔ ازراہِ تفنن عرض کروں گا کہ اگر رنگ برنگی ٹوپیاں پہن کر انقلاب آسکتا ہے تو کالج میں ’’انقلاب‘‘ آچکا تھا۔ مگر انقلاب تو دل و نگاہ کی تبدیلی سے آتا ہے۔ میرے نبی ﷺ نے سینہ کے بائیں طرف ہاتھ رکھ کر فرمایا تھا: اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا ’’تقویٰ یہاں ہے!‘‘

۱۳ مارچ ۲۰۱۲ء کو اچانک دیکھا کہ طارق مسعود صاحب پرنسپل کے کمرے میں جلوہ افروز ہیں۔ معلوم ہوا کہ عزیزم عاطف وحید نے بطور ناظم کلیہ‘ خود رابطہ کر کے انہیں ادارہ کو جوائن کرنے کی دعوت دی ہے۔ جی خوش ہوا۔ مبارک باد دی۔ ان کے آنے کے بعد ماحول میں شگفتگی لوٹ آئی۔ طارق صاحب اس نئے نصابِ تعلیم کی روح کو سمجھ چکے تھے اور اسے منظم طریقہ سے implement کرنے کے لیے ہمہ تن تیار نظر آئے۔ انہوں نے اپنی معاونت کے لیے پروفیسر ریاض صاحب کو بھی بلوالیا۔ سٹاف روم میں خوبصورت پردے لگ گئے۔ بکھرے ہوئے جوتوں کا بدصورت منظر ختم ہوگیا (گویا ایک مرتبہ پھر ’’انقلاب‘‘ آگیا‘ مگر عکسی ترتیب میں!)

وفات سے دس پندرہ دن پہلے قرآن کالج سے پتا چلا کہ طارق صاحب سی ایم ایچ کی انتہائی نگہداشت کی یونٹ میں زیرعلاج ہیں۔ پھر ۲۸ مارچ کو قرآن کالج سے اطلاع ملی کہ وہ وفات پاگئے ہیں‘ گیارہ بجے قرآن کالج سے گاڑی جنازہ پڑھنے کے لیے کیولری گراؤنڈ میں ان کے گھر جائے گی۔ بھاگم بھاگ قرآن کالج پہنچا۔ محترم ریاض صاحب کے ساتھ بیٹھ کر طارق مسعود صاحب کے گھر پہنچا۔ ان کے داماد پھر ان کے بیٹے سے تعزیت کی۔ طارق مسعود صاحب کے جسدِ خاکی کو نہلا دھلا اور کفنا کر رکھا گیا تھا۔ طارق صاحب کا چہرہ دیکھا جو انتہائی

پرسکون تھا۔ دل سے دعا نکلی کہ مرتے وقت میرا چہرہ بھی ایسا ہی پرسکون ہو۔ آمین!

۲۸ مارچ ۲۰۱۴ء جمعہ کا مبارک دن تھا۔ جمعہ پڑھنے کے بعد مسجد خالد کے خطیب نے اعلان کیا کہ میرے بہترین دوست طارق مسعود کا جنازہ پڑھایا جائے گا۔ زہے نصیب‘ ایک جم غفیر نے نماز جنازہ ادا کی۔ جنازہ پڑھنے کے بعد قبرستان گیا۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ○ پڑھتے ہوئے مٹھی بھر خاک ان کی قبر پر پھینکی اور لوٹ آیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ حماسہ کے شاعر کا شعر یاد آرہا ہے ؎

كم من أخ لي صالح
بوّأته بيدي لحدا

’’میرے کتنے صالح بھائی تھے‘ جن کو میں نے اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا!‘‘

❁❁❁

بقیہ: قتلِ مسلم

ہے اور عداوت بھی‘ ان کی محبت پرستارانِ حق کے ساتھ اور عداوت دشمنانِ حق کے ساتھ ہوتی ہے۔ بقولِ اقبال ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن!

سیرتِ نبویؐ اور احادیث نبویؐ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ قتلِ مسلم سے بڑھ کر کوئی فعل شنیع ایسا نہیں جو اللہ رب العزت کے عرشِ ذی جلال کو ہلا دے اور اُس کی پاداش میں خدا کی لعنتیں بارش کی طرح آسمانوں سے برسیں! جس مؤمن کا وجود اللہ تعالیٰ کو اس قدر محبوب و محترم ہو کہ وہ تمام دنیا کا زوال اس کی ہلاکت کے مقابلے میں ہیچ بتلائے‘ اسی کا خون خود ایک مسلمان کے ہاتھوں سے ہو‘ اس سے بڑھ کر شریعت الٰہی کی کیا توہین ہوسکتی ہے؟ جس بدبخت انسان کا احساسِ ایمانی یہاں تک مسخ ہو جائے کہ باوجود دعوائے مسلم و مؤمن کے مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کرے بلکہ اس کو کارِ خیر بھی سمجھے‘ تو یاد رہے کہ وہ یقیناً مسلمانوں کا خون نہیں بہاتا بلکہ وہ تو پروردگار عالم کے کلمۂ توحید کی اہانت کرتا ہے اور شانِ کبریائی کو بٹہ لگانا چاہتا ہے۔ سو! ایسوں کو ﴿اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ﴾ کی وعید کا مصداق بننے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ❁

قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورسز

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع !

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں:

۱) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لیے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی۔

۲) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I, II, III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لیے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

۳) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لیے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کے لئے درج ذیل پتے پر رجوع فرمائیں

ناظم شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 03-35869501

Email: distancelearning@tanzeem.org

- ہمارا دین "دینِ توحید" ہے اور "توحید" کی ضِد "شِرک" ہے۔
- شِرک سب سے بڑا گناہ ہے اور ناقابلِ درگزر ہے۔
- قرآن کی رو سے شرک "ظلمِ عظیم" ہے۔
- شِرک ہر دور میں نئی نئی صورتیں اختیار کرتا ہے۔
- مسلمان جہالت اور ناسمجھی کے سبب شِرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

شِرک کی حقیقت اور اس کی اقسام سے واقفیت' اور دورِ حاضر کے شِرک سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے مطالعہ کیجیے:

حقیقت و اَقسامِ شرک

بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم **ڈاکٹر اسرار احمد** رحمۃ اللہ علیہ

کے چھ فکر انگیز خطابات

۞ معیاری کمپیوٹر کمپوزنگ ۞ عمدہ طباعت ۞ 128 صفحات

قیمت: اشاعت عام: 60 روپے' اشاعت خاص: 90 روپے

شائع کردہ: **مکتبہ خُدّام القُرآن لاہور**

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 3-35869501

email: maktaba@tanzeem.org Website: www.tanzeem.org